اُصولِ حدیث

ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحٰق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

اصول حدیث

ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحٰق

نام کتاب

اصول حدیث

مصنف

ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحٰق

اہتمام ———— ملک اسد علی قاسمی
مطبع ———— گنج شکر پریس
ناشر ———— مکتبہ قاسم العلوم

ڈسٹری بیوٹرز

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان
042-37231119 , 0321-4021415

فہرست مضامین

مقدمہ طبع دوم

بسم اللہ والحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ اما بعد

رسالہ اُصولِ حدیث جو اُردو زبان میں بزعمِ خویش مختصر اور جامع کتاب ہے اہلِ علم نے اس کو بہت پسند کیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سارے اربابِ مدارس نے اس کو اپنے یہاں شاملِ نصاب کر لیا ہے، کتاب کا مقبول ہونا میرے لئے انتہائی شرف کا مقام ہے اور اس پر یقین ہے کہ یہ کام انشاء اللہ "علم ینتفع بہ" میں شامل ہوگا۔ اس طبع میں کچھ اہم چیزوں کا اضافہ بعض اہلِ علم کے مشورے پر کیا گیا ہے جس میں مصطلحات کی مثالیں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

چونکہ مصطلحات اُردو زبان میں ہیں اس لئے امید ہے کہ بچوں پر یہ اضافہ بھاری نہیں پڑے گا، بلکہ مفید ہوگا اگر یہ مشکل ہو جائے تو ان مثالوں کو چھوڑ کر صرف مصطلحات یاد کرائیں اور ان مثالوں کو اضافی معلومات کے طور پر سمجھ لیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اس کا پہلا باب جماعت رابع میں اور دوسرا و تیسرا باب جماعت خامس میں پڑھایا جائے اور اچھی طرح سے یاد کرا دیا جائے تو بیحد مفید ہوگا۔

اس موقع پر ان تمام اہلِ علم کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے کسی بھی قسم کی رہنمائی کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔

فجزاهم اللہ احسن الجزاء

والسلام

ابو عبد الرحمٰن اقبال احمد بسکوہری

رمضان ۱۴۲۵ھ

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلاۃ وَالسَّلَامُ عَلیٰ سَیِّد الْمُرْسَلِیْن،وعلیٰ آلِہٖ و صَحْبِہٖ أجْمَعِیْنَ، وَمَن تبعھُم باحْسَان الی یَوْمِ الدِّیْن . أما بعد

اللہ رب العالمین نے انسانیت پر احسانِ عظیم فرما کر ان کو اپنے پیغامات سے نوازا، ان پیغامات کیلئے اپنے محبوب ترین بندے انبیاء ورسل کو واسطہ بنایا، اس واسطے کی آخری کڑی سید الاوّلین والآخرین جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ کو ایسے پیغامات دیئے گئے جو لازوال ہیں۔ ان کو دوام اور کمال نیز رضائے الٰہی سے نوازا گیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر یہ اعلان کر دیا گیا کہ(اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا)[المائدہ:۳] آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے میں نے دین اسلام پسند فرمایا۔

اس دین کو نازل کرنے کیلئے فرشتوں میں ''روح امین'' اور انبیاء ورسل میں ''خاتم النبیین'' کا انتخاب عمل میں آیا، یوں تو دنیا میں بے شمار انبیاء ورسل آئے جو اپنے دور کی ضرورت اور صلاحیت کے مطابق اللہ کا پیغام پہنچا گئے، لیکن چونکہ ان کو دوام و کمال کی نعمت سے محروم رکھا گیا تھا اس لئے ان کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہ کیا گیا، وہ ساری شریعتیں علماء وقت، اُحبار ورہبان کے ہاتھوں کھلونہ بنی رہیں، اور خرد برد کا شکار ہوگئیں، آج کوئی ایسی شریعت موجود نہیں جو صاف ستھری تاریخی حیثیت رکھتی ہو چہ جائے کہ ان کی اصلیت کا دعویٰ کیا جائے۔

لیکن جب دائمی شریعت کا نزول ہوا تو لازمی طور پر اس کے تا قیامت اصلی

شکل میں برقرار رکھنے کیلئے خاطر خواہ حفاظت کی ضرورت تھی، چنانچہ اس کی عظمت و حفاظت اور ابدیت کو برقرار رکھنے کیلئے خود خالق کائنات نے یہ ذمہ داری لی ہے فرمایا(إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ۝٩)[حجر] اس ذکر (شریعت) کو ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے پاسبان ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کی حفاظت کے لئے صحابہ و تابعین، محدثین وائمہ دین کی ایسی جماعت پیدا کی جنہوں نے اس کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور کسی بھی ناپاک سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ علامہ حالی نے اس کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا — لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

چنانچہ ان حاملین شریعت نے اس کی حفاظت کے لئے ایسی تدبیریں اختیار کیں جس کی نظیر تاریخ عالم وتاریخ اُدیان میں ناپید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسے طریقوں کا الہام کیا جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آیا تھا وہ طریقے انتہائی معیاری اور انسانی فطرت کے عین مطابق تھے۔

انہوں نے سب سے پہلے حالات ووقت کے تقاضا کے مطابق تثبت واحتیاط کے ساتھ حفظ کو ترجیح دیا، پھر تحریر میں لاکر جملہ رخنہ اندازیوں سے پاک کیا، عمل وتبلیغ کے ذریعہ اس کو عام کیا، اس کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دیں جملہ مشقتوں کو برداشت کیا، دل ودماغ اور عقل وبصیرت کی پوری قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے علوم وفنون ایجاد کئے، ایسے قواعد وضوابط وضع کئے جن کو دیکھ کر آج کا یورپ بھی انگشت بدنداں ہے، اس کی حقانیت وصداقت، صلابت اور پختگی کے اعتراف کرنے پر مجبور ہی نہیں بلکہ [illegible]

اصول حدیث کا خاکہ:-

بنیادی طور سے اس علم کا مقصد حدیث رسول کی حفاظت، صحیح اور ضعیف میں تمیز کرنا ہے لہٰذا اس پر گفتگو حدیث پر گفتگو سے شروع ہوتی ہے اور ابتداء میں اس کی دو طرح سے تقسیم کی جاتی ہے باعتبار مخبر، اور باعتبار نسبت، مخبر کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ مخبر کی عدد اگر غیر متعین (زیادہ) ہے تو اس کو خدیث متواتر اور متعین (کم) ہے تو اس کو حدیث آحاد کہتے ہیں۔ متواتر پر گفتگو اس کی تعریف، شروط، قسمیں اور فائدہ پر سمٹ کر رہ جاتی ہے اس لئے کہ اصول حدیث کے مباحث سے اُس کا تعلق نہیں کیوں کہ اس میں صحت اور ضعف پر گفتگو نہیں ہوتی، اس کی صحت مسلّم ہوتی ہے۔

پھر آحاد کی تین قسمیں ہوتی ہیں مشہور، عزیز اور غریب پھر یہی تینوں قسمیں مقبول و مردو میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ مقبول کی دو قسمیں ہوتی ہیں صحیح اور حسن یہاں پر صحیح کی قسمیں اُس کی تعریف، درجات صحیح، کتب صحاح وغیرہ دیگر جزئیات پر بحث ہوتی ہے۔ جس میں صحیحین کا خصوصی ذکر آتا ہے۔

پھر حسن کی تعریف، قسمیں، وجود کی جگہیں، ''حسن صحیح'' کا اجماع اور اس سے متعلق جزئیات ذکر کئے جاتے ہیں یہاں مقبول کی بحث مکمل ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد مردود (ضعیف) پر گفتگو کی جاتی ہے جس میں عدالت و ضبط سے متعلق باتیں ہوتی ہیں، اسباب ضعف بتائے جاتے ہیں جن کی دو قسمیں ہوتی ہیں مردود از روئے عدالت و ضبط، اور مردود از روئے سقوط، اگر مردود از روئے سقوط ہے تو اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں جن کا اصطلاحی نام معلق، معضل، منقطع، مرسل، اور مدلس ہے۔ ان میں ہر ایک کی جزئیات، مسائل، مثالیں وغیرہ بیان کی جاتی ہیں۔

اور اگر مردود از روئے عدالت و ضبط ہے تو اس کی کیفیت کو دیکھا جاتا ہے جو جملہ دس کیفیات پر منحصر ہوتا ہے ان کو اسباب رد کہا جاتا ہے پانچ کا تعلق عدالت سے ہے

اور پانچ کا ضبط سے جو حسب ترتیب اس طرح سے ہے (۱) راوی کا جھوٹا ہونا (کذاب ہونا۔) یہاں پر اقسام وضاعین، اُن کا حکم، اسباب وضع، ابتدائے وضع، کتب الموضوعات وغیرہ پر بحث ہوتی ہے۔ (۲) راوی کا متہم بالکذب ہونا۔ (۳) راوی سے بکثرت غلطی صادر ہونا۔ (۴) اس کا انتہائی لاپرواہ اور مغفل ہونا۔ (۵) نیز اس کا فاسق ہونا (یعنی گناہ کبیرہ کرنا۔) (۶) راوی کا شکی ہونا یعنی بکثرت وہم ہونا۔ (۷) مخالفۃ الثقات، جس میں از روئے مخالفت: مدرج، مقلوب، مزید، مضطرب، مصحف وغیرہ پر گفتگو کی جاتی ہے۔ (۸) راوی کا مجہول ہونا۔ (۹) راوی کا بدعتی ہونا۔ (۱۰) سوء حفظ۔ یہاں پر ہر ایک کی تعریف، مثالیں، جزئیات، حکم وغیرہ حسب ضرورت بیان کی جاتی ہے۔

پھر ان ضعیف رواتیوں کو تقویت دینے کیلئے جو روایتیں بطور شاہد اور متابع تلاش کی جاتی ہیں۔ ان کا ذکر ہوتا ہے نیز اگر یہ مقبول روایتیں متعارض ہوتی ہوں تو کیا کرنا ہے اُس کی وضاحت ہوتی ہے۔ یہاں پر حدیث کی پہلی تقسیم از روئے مخبر پر گفتگو تقریباً مکمل ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد حدیث کی دوسری قسم از روئے نسبت کا ذکر آتا ہے جس میں حدیث قدسی، مرفوع، موقوف، مقطوع، وغیرہ پر گفتگو ہوتی ہے۔ اسباب صحت وضعف معلوم کرنے کیلئے راویوں کی معرفت ضروری ہوتی ہے لہٰذا یہاں پر راویوں کی قسمیں، اُن کے طبقات جرح و تعدیل اور ان کے کلمات، احکامات، قواعد وضوابط پر بحث ہوتی ہے ساتھ ساتھ راویوں کے عام حالات نام و نسب، نسبت، کنیت، القاب، وطن، قبائل، تاریخ وفات، مبہم نام، متشابہ اسماء و دیگر متعلقات کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔

پھر روایت کی معرفت کی باری آتی ہے جس میں پڑھنے پڑھانے کے آداب صیغہ تحمل و ادا، کیفیت روایت، حدیث لکھنے کا طریقہ، تصنیف حدیث اور انواع کتب حدیث پر گفتگو کی جاتی ہے اور اس طرح سے یہ علم مکمل ہوتا ہے۔

یہ فن اصول حدیث کا بنیادی اور مختصر خاکہ ہے جو اپنے انواع و اقسام کے ساتھ حدیث رسول کی معرفت اور اس کی حفاظت کے لئے ہمہ وقت سینہ سپر رہتا ہے اور تا قیامت ان شاء اللہ باقی رہے گا۔

اصول حدیث کی تاریخ :-

ایجادی دور :- اس علم کی بنیاد رسول ﷺ کے زمانہ ہی میں پڑ گئی تھی جہاں پر قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے۔ (یَـٰٓأَیُّهَا ٱلَّذِینَ ءَامَنُوٓا۟ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوٓا۟) [الحجرات:٦] اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی وضاحت کرلو۔

یہاں پر روایت میں تثبت اور راوی پر جرح کی جانب اشارہ موجود ہے، جس پر اصول حدیث کی بنیاد ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے خود بھی کسی کی تعریف اور کسی کی تنقیص بیان کی ہے یہ مناقب ومثالب راوی کی جرح وتعدیل پر غماز ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے بعد صحابہ کرام کا دور شروع ہوا جو ۱۱ھ سے لے کر کم وبیش ۱۱۰ھ پر ختم ہوتا ہے۔صحابہ کرام کا یہ دور جس کو رسول نے خیر القرون کا شرف عطا فرمایا ہے اس کو تین دور میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور خلفائے اربعہ کا جو تقریباً ۴۰ھ تک ہے۔

دوسرا دور عام صحابہ کا جو تقریباً ۷۰ھ تک ہے۔

تیسرا دور صغار صحابہ کا جسکو کبار تابعین کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ ۷۰ھ کے بعد سے آخری صحابی کے انتقال کے وقت تک ہے جو راجح قول کے مطابق ۱۱۰ھ ہے۔

صحابہ کرام کے ابتدائی دور میں یہ شریعت ہر قسم کی رخنہ اندازیوں سے پاک وصاف تھی۔ احادیث رسول بہت زیادہ پھیلی نہ تھی اس لئے اس دور میں اصول حدیث کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ اس کی جگہ پر روایت میں تثبت، کثرت روایت سے پرہیز، اور

بوقت ضرورت نقد حدیث ہی کافی تھا۔

صحابہ کے دوسرے دور میں جب حدیث رسول عرب سے نکل کر عجم تک پہنچی اور سیاسی سرگرمیوں نے جنم لیا۔ مختلف سیاسی فرقے نمودار ہونے لگے۔ شیعیت اور خارجیت نے پرپُرزے پھیلائے، ان سیاسی فرقوں نے اپنے آپ کو دینی شکل میں ڈھالنے کی کوشش کی اور اپنی فکر کی تائید کیلئے احادیث رسول سے کھیلنے لگے یہیں سے اصول حدیث کے استعمال کی ضرورت پیش آئی اس لئے خدام سنت نبوی نے اس فن کے ایک اہم جز اسناد حدیث کا اہتمام کیا۔

حضرت ابن عباسؓ (متوفی ۶۷ھ) کا مشہور قول جو انہوں نے بشیر عدوی سے کہا تھا اس کا بین ثبوت ہے۔ آپ نے فرمایا: ’’فلما رکب الناس الصعب والذلول لم ناخذ من الناس الا ما نعرف‘‘ [۱] جب لوگ ہر نرم و سخت سواری پر سواری کرنے لگے (یعنی رطب و یابس بیان کرنے لگے) تو ہم لوگوں سے وہ چیز نہیں لیتے جس کو نہیں جانتے۔

امام ابن سیرین (متوفی ۱۱۰ھ) کا فرمان ہے: ’’ان ھذہ الأحادیث دین فانظروا عمن تاخذونها‘‘ [۲] یہ حدیثیں دین ہیں لہٰذا دیکھو کہ کس سے لے رہے ہو۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ: ’’لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم‘‘ [۳] پہلے لوگ سندوں کو طلب نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنہ (شہادتِ عثمان) کا وقوع ہوا تو لوگوں نے کہا کہ اپنے راویوں کا نام بتاؤ۔

اور امام ابن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ) نے فرمایا کہ: ’’الاسناد من الدین

---

۱ مقدمہ صحیح مسلم ۱/۱۸۱

۲ الجرح والتعدیل ۲/۱۵

۳ مقدمہ صحیح مسلم ۱/۸۴

لو لا الاسناد لقال من شاء ماشاء "[1] سند کا تعلق دین سے ہے اگر سندیں نہ ہوتیں تو جس کی جو مرضی ہوتی سو کہتا۔

صحابہ کرام کا آخری دور جس کو تابعین کا پہلا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ جس میں اسلامی حکومت کی سرحدیں وسیع و عریض خطہ پر پھیل گئیں اور حدیثِ رسول پوری مملکت اسلامیہ عرب و عجم میں منتشر ہو گئی، ادھر رسول پاک کی حیات مبارکہ سے دوری بڑھنے لگی، سلسلہ اسانید طویل ہونے لگا، لوگ کثرت سے حدیث پڑھنے پڑھانے لگے تب حدیثِ رسول میں غلطیوں کا امکان بڑھ گیا، قدریہ، جہمیہ، معتزلہ نے عقل کی بنیاد پر شریعت کی بہت سی چیزوں کا انکار اور اس کی تاویل شروع کر دی تو اصول حدیث کے استعمال کی مزید ضرورت پیش آئی، لہٰذا اس میں اضافہ ہوتا گیا، اصول حدیث کی مصطلحات متعین ہونے لگے، مرسل، منقطع اور بغیر اسناد والی روایتوں پر قدغن لگایا گیا، حدیث صحیح و ضعیف (مقبول و مردود) کا معیار متعین کیا گیا، انکار حدیث، اور خبرِ آحاد کے حجت نہ ہونے پر ضرب لگائی گئی۔ عدالت و ثقاہت کے اصول وضع کیے گئے، روایت کو درایت کے میزان میں تولا جانے لگا۔

تصنیفی دور :۔

جزوی تصنیف :۔ آہستہ آہستہ یہ علم حدیث رسول کے فروغ و انتشار کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا یہاں تک کہ اس علم کے جزئیات کو ضمناً کتابوں میں قلم بند کیا جانے لگا۔

چنانچہ امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ) نے ناسخ و منسوخ، اختلاف حدیث، حجیت خبر واحد، مرسل وغیرہ کو اپنی مایہ ناز کتاب "الرسالہ" اور "الام" میں جگہ دی۔

امام بخاریؒ نے "صحیح بخاری" کے کتاب العلم اور کتاب اخبار الآحاد

---

[1] مقدمہ الجرح والتعدیل ۲/۱۶

وغیرہ میں مختلف اقسام کی جانب اشارہ فرمایا۔ امام مسلمؒ نے "صحیح مسلم" کے مقدمہ، امام ابوداؤدؒ نے "رسالة أبي داود الیٰ أهل مكة" امام ترمذی نے اپنی کتاب "سنن" اور "علل صغیر" میں اس فن کی جزئیات کو قلم بند کیا۔ بلکہ اس کے بعض فروعات میں مکمل کتابیں تحریر کی جانے لگیں۔

چنانچہ فن علل حدیث میں علی بن المدینی (متوفی ۲۳۴ھ)، امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ)، امام ترمذی (موفی ۲۷۹ھ)، ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۷ھ) وغیرہ نے کتابیں تصنیف فرمائیں۔

اسی طرح سے امام ابوداؤد (متوفی ۲۷۵ھ) اورامام ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۷ھ) نے مراسیل میں کتابیں لکھیں۔

امام یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) نے رجال حدیث پر "التاریخ"، امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) نے "التاریخ الکبیر"، امام ابوحاتم رازی (متوفی ۲۷۷ھ) نے "الجرح والتعدیل" تحریر فرمائی۔

اسی طرح سے امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) نے "کتاب الوحدان"، امام مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) نے "المنفردات الوحدان" کو قلمبند کیا۔

یہاں تک کہ یہ علم ہر طالب حدیث کیلئے جانا پہچانا، اہل علم کے درمیان معروف ومشہور اور عام ہو گیا، اور اس پر مکمل طریقے سے اعتماد اور عمل کیا جانے لگا، یہ حلالات چوتھی صدی ہجری تک قائم رہے۔

فنی تصنیف:۔ چوتھی صدی ہجری میں امام ابومحمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی (متوفی ۳۶۰ھ) نے اس علم کے ان منتشر جزئیات کو تصنیفی شکل دے دی اور تصنیف اصول حدیث کے معمار اول ہونے کا شرف حاصل کیا، اور اپنی کتاب کو اصول حدیث کی سب سے پہلی کتاب ہونے کا اعزاز بخشا پھر اس علم میں مسلسل کتابیں لکھی

جانے لگیں جو حسب ترتیب زمنی اس طرح ہیں۔

المحدث الفاصل بین الراوی والواعی :

ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی (متوفی ۳۶۰ھ)

معرفة علوم الحدیث :

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیساپوری (متوفی ۴۰۵ھ)

مستخرج علی معرفة علوم الحدیث:

احمد بن عبداللہ ابو نعیم اصبہانی (متوفی ۴۳۰ھ)

الکفایة فی علم الروایة :

ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ)

الجامع لآداب الشیخ والسامع:

ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ)

آپ یکتائے زمانہ مورخ، ماہر فن محدث، امام وقت تھے، جنہوں نے روایت کے اصول وضوابط اور اُس کی مختلف جزئیات پر اصولی اور فروعی کتابیں تحریر فرمائیں اور اپنے بعد آنے والے ہر طالب علم اور استاد حدیث کو اپنا محتاج بنا دیا۔ فن اصول حدیث پر کوئی بھی کام کرنے والا خطیب بغدادی کو نظر انداز کر کے کامیاب نہیں ہوسکتا۔

الالماع فی ضبط الروایة وتقییدالسماع:

قاضی عیاض بن موسیٰ یحصبی (متوفی ۵۴۴ھ)

ادب الاملاء والاستملاء :

ابو سعد عبدالکریم بن محمد سمعانی (متوفی ۵۶۲ھ)

تنقیحی و تشریحی دور :- خطیب کے بعد بھی محدثین آتے گئے اور تالیفات ہوتی رہیں، یہاں تک کہ وقت کے مشہور محدث وفقیہ امام ابو عمرو عثمان بن

عبدالرحمٰن بن صلاح (متوفی ۶۴۳ھ) کا زمانہ آیا، جو مدرسہ اشرفیہ دار الحدیث دمشق کے مسند درس پر جلوہ افروز تھے انہوں نے اس فن کے مصطلحات کے نوک و پلک کو درست کیا، اصول وضوابط کو مہذب کیا، اصولی مصطلحات کو جامع اور مانع بنایا اس کے ابواب کو ترتیب دینے کی کوشش کی اور اپنے تلامذہ کو مصطلحات اصول حدیث کا املا کرایا جو اس فن کی نہایت ہی اہم اور بنیادی کتاب ہے یہی کتاب "مقدمہ ابن صلاح" کے نام سے مشہور ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

نام :

علوم الحدیث : ابوعمر عثمان بن عبدالرحمٰن دمشقی (متوفی ۶۴۳ھ)

اس کتاب میں آپ نے سابقہ کتابوں اور خطیب بغدادی کی کتابوں کا نچوڑ جمع کر دیا۔ بالآخر یہ کتاب مرجع خلائق بن گئی، مدارس میں اس کے پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کیا گیا جو آج تک جاری ہے۔ محدثین نے اس کی شرحیں لکھیں، کچھ حضرات نے اس کو مختصر کیا، کچھ لوگوں نے اس کو نظم میں ڈھالا، اور پھر اس کی شرحیں لکھی گئیں اور شرحوں پر حاشیے لگائے گئے۔

مختصرات :

ارشاد طلاب الحقائق الی معرفة سنن خیر الخلائق :

امام نووی یحییٰ بن شرف (متوفی ۶۷۶ھ)

التقریب والتیسیر لمعرفة سنن البشیر النذیر:

امام نووی یحییٰ بن شرف (متوفی ۶۷۶ھ)

الخلاصة فی أصول الحدیث النبوی :

علامہ بدرالدین ابن جماعہ (متوفی ۷۳۳ھ)

اختصار علوم الحدیث:

امام حسین بن عبداللہ طیبی (متوفی ۷۴۳ھ)

اختصار علوم الحدیث:

علامہ اسماعیل بن عمر ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ)

المقنع فی علوم الحدیث:

علامہ عمر بن علی بن ملقن (متوفی ۸۰۴ھ)

التذکرۃ فی علوم الحدیث: [۱]

علامہ عمر بن علی بن ملقن (متوفی ۸۰۴ھ)

محاسن الاصطلاح :

علامہ سراج الدین عمر بن رسلان بلقینی (متوفی ۸۰۵ھ)

شروحیں :

التقیید والایضاح شرح مقدمۃ ابن الصلاح :

امام زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی (متوفی ۸۰۶ھ)

النکت علی ابن الصلاح :

امام بدالدین محمد بن عبداللہ زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ)

الشذی الفیاح علی مقدمۃ ابن الصلاح:

ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ ابناسی (متوفی ۸۰۲ھ)

---

[۱] یہ ایک انتہائی مختصر مگر بہت جامع رسالہ ہے جو مجلہ سلفیہ میں ۱۴۰۳ھ شمارہ نمبر ۹ میں چھپ چکا ہے۔ اس کی شرح شیخ محمد منشاوی جو شیخ زکریا کے شاگرد ہیں نے کی ہے جس کا نام "فتح المغیث بشرح تذکرۃ الحدیث" ہے۔
امام سخاوی نے بھی اس کی شرح "التوضیح الابھر علی تذکرۃ ابن الملقن فی علم الاثر" کے نام سے کیا ہے۔ خود مولف نے اس کی ایک شرح "العبصرۃ شرح التذکرۃ" کے نام سے کیا ہے۔

الایضاح علی نکت ابن الصلاح:

حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ)

تدریب الراوی شرح تقریب النووی:

امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)

"الباعث الحثیث"

شیخ احمد بن محمد شاکر (متوفی ۱۳۷۷ھ)

منظومات اور اس کی شرحیں:۔

الفیۃ العراقی (نظم الدرر فی علم الأثر):

حافظ ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی (متوفی ۸۰۶ھ)

التبصرۃ والتذکرۃ:

حافظ ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی (متوفی ۸۰۶ھ)

الفتح المغیث:

حافظ ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی (متوفی ۸۰۶ھ)

کچھ لوگوں نے اس کو پہلی کتاب کا دوسرا نام بتایا ہے۔ جب کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے یہ اُس کی دوسری متوسط شرح ہے۔

النکت الوفیۃ شرح الألفیۃ:

علامہ برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی (متوفی ۸۸۵ھ)

فتح الباقی بشرح ألفیۃ العراقی:

شیخ زکریا بن محمد انصاری (متوفی ۹۲۸ھ)

فتح المغیث علی الفیۃ الحدیث:

امام محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ)

یہ الفیۃ العراقی کی سب سے عمدہ اور کامیاب شرح ہے۔

ألفية السيوطى :

امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)

بحر الذى زخر :

امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)

فهم ذوى النظر فى شرح منظومة الأثر :

محمد بن محفوظ ترمسی (متوفی۔)

علامہ احمد بن محمد شاکر (متوفی ۱۳۷۷ھ) نے بھی اس کی شرح کی ہے۔

دیگر تصانیف :

تذكرة السامع والمتكلم فى آداب العالم والمتعلم :

بدرالدین محمد بن ابراہیم بن جماعہ (متوفی ۷۳۳ھ)

نخبة الفكر فى مصطلح أهل الأثر:

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ)

نزهة النظر فى توضيح نخبة الفكر:

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ)

یہ خود حافظ ابن حجر کی شرح ہے جس پر استاذ گرامی شیخ عبدالسلام صاحب مدنی استاد جامعہ سلفیہ بنارس کی تعلیق ہے۔ جو جامعہ سلفیہ سے مطبوع ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں ہیں۔ مثلاً :

نتيجة النظر:

محمد بن احمد بن علی بن حافظ ابن حجر (متوفی)

مصطلحات أهل الأثر:

ملا علی بن سلطان قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ)

الیواقیت والدرر :

علامہ عبدالرؤف مناوی (متوفی ۱۰۳۱ھ)

قضاء الوطر :

ابوامداد ابراہیم بن ابراہیم لقانی (متوفی ۱۰۴۱ھ)

نیز حافظ قاسم بن قطلوبغا (متوفی ۸۷۹ھ) اس پر حاشیہ لگایا ہے۔

قصب السکر فی نظم نخبۃ الفکر:

امیر محمد بن اسماعیل صنعانی (متوفی ۱۱۸۲ھ)

سح المطر علی قصب السکر:

شیخ عبدالکریم بن مراد اثری (متوفی)

شیخ شہاب الدین طوفی (متوفی ۸۸۲ھ) نے بھی اس کو نظم میں پرویا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''مقدمہ ابن الصلاح'' کے بعد سب سے زیادہ اہمیت ''نخبۃ'' کو حاصل ہوئی ہے۔

اس فن میں ایک اور مختصر کتاب ہے جس کا نام ہے :

تنقیح الانظار :

محمد بن ابراہیم بن الوزیر صنعانی (متوفی ۸۴۰ھ)

توضیح الافکار لمعنی تنقیح الانظار :

امیر محمد بن اسمٰعیل صنعانی (متوفی ۱۱۸۲ھ)

یہ سابقہ کتاب کی بڑی مفصل اور مبسوط شرح ہے۔ جو اس فن کی عظیم و مفصل کتاب سمجھی جاتی ہے۔

المنظومۃ البیقونیۃ :

شیخ عمر بن محمد بیقونی (متوفی ۱۰۸۰ھ)

العرجون في شرح البيقون :

نواب صدیق حسن خان (متوفی ۱۳۰۷ھ)

الاقتراح في بيان الاصطلاح:

امام محمد بن علی ابن دقیق العید (متوفی ۷۰۲ھ)

الموقظة في علم الحديث :

امام محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)

یہ "الاقتراح" کی مختصر ہے۔

قواعد التحديث في فنون مصطلح الحديث:

شیخ جمال الدین قاسمی (متوفی ۱۳۳۲ھ)

توجيه النظر الى أصول الأثر:

شیخ طاہر ابن صالح جزائری (متوفی ۱۳۳۸ھ)

يانع الثمر في مصطلح أهل الأثر:

استاذ محترم شیخ حماد بن محمد انصاری (متوفی ۱۴۱۹ھ)

اجتناء الثمر في مصطلح أهل الأثر:

استاذ محترم شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد حفظہ اللہ

تيسير مصطلح الحديث :

ڈاکٹر محمود الطحان (متوفی)

من أطيب المنح في علم المصطلح :

شیخ عبدالکریم مراد اور استاد محترم شیخ عبدالمحسن العباد

تحفة أهل الفكر في مصطلح أهل الأثر :

شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری حفظہ اللہ

ان کے علاوہ دیگر بے شمار مختصرات ومطولات ہیں۔

اس طرح سے ہر دور میں اپنے اپنے ذوق وضرورت کے مطابق علماء محدثین و خدام سنت نبوی نے اس فن میں کتابیں ترتیب دی ہیں، اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامت قائم رہے گا اور اس طرح سے دین کی حفاظت کا کام بھی ہوتا رہے گا۔

میری یہ حقیر کوشش بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کی جمع وترتیب میں متقدمین ومتاخرین کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے جن میں ''مقدمة ابن الصلاح، نزهة النظر، فتح المغيث، تدريب الراوي ، الباعث الحثيث، تيسير مصطلح الحديث، شرح قصب السكر، من أطيب المنح'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ابتدائی طور سے یہ رسالہ کچھ جدید نوجوانان اہلحدیث کی طلب پر تیار کیا گیا تھا جو مالیگاؤں سے شائع ہونے والے ''اخبار اسلاف'' میں قسط وار شائع ہوا تھا، افادیت کے پیش نظر اضافہ اور نظر ثانی کے بعد کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔

اس کتاب میں فن مصطلح کو ذہن نشین کرانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے، جس میں ایک مقدمہ، تمہید اور تین ابواب ہیں۔ توقع ہے کہ مبتدی ومنتہی طالبان علوم نبوت کے لئے یہ کتاب یکساں مفید ہوگی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنائے آمین۔

والحمد لله رب العالمين.

اقبال احمد البسكوهرى

رجب ۱۴۲۱ھ

تمهید

اصول حدیث:- هو علم باصول یعرف بها أحوال السند والمتن (أوحال الراوی و المروی) من حیث القبول والرد.

یعنی اصول حدیث ایسے قواعد وضوابط کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ سے سند ومتن (یاراوی ومروی) کے حالات بحیثیت قبول ورد معلوم کیا جائے۔

دیگر نام :- اس کے دیگر ناموں میں علوم حدیث، مصطلح حدیث، علم مصطلح، علم حدیث درایۃ، نیز علم اثر بھی ہے۔

غرض و غایت :- اس علم کی معرفت کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ صحیح وضعیف، مقبول ومردود حدیثوں کو پہچانا جائے، پھر صحیح سنت نبوی پر عمل کر کے سعادت دارین حاصل کیا جائے۔

حکم : اس علم کا سیکھنا انفراد کے وقت فرض عین اور تعدد کے وقت فرض کفایہ ہے۔

موضوع :- اس علم کا موضوع سند اور متن ہے بحیثیت قبول اور رد۔

سند:- حدیث بیان کرنیوالے افراد کے اس سلسلہ کو کہا جاتا ہے جو متن تک پہنچاتا ہے۔

اسناد :- جمہور کے یہاں سند اور اسناد ایک معنی میں ہے لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ: قائل کی جانب قول کو سند کے ذریعے منسوب کرنے کو اسناد کہا جاتا ہے۔

متن :- کلام کے اس مقام کو کہتے ہیں جہاں پر سلسلہ اسناد ختم ہوتا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ محدثین کرام نے کس دقت کے ساتھ نقد سند (نقد خارجی) اور نقد متن، (نقد داخلی) دونوں کو بیک وقت اس علم کا موضوع اور محور قرار دیا ہے، انھوں نے صرف سند کو دیکھ کر متن پر کبھی حکم نہیں لگایا، بلکہ سند کے ساتھ ساتھ متن کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا اس کو نقد کے میزان پر رکھ کر پرکھا۔ پھر حدیث پر حکم لگایا۔

باب اول
حدیث اور اس کی قسمیں

اصول حدیث کا اصل مقصد حدیث رسول کی حفاظت کرنا ہے لہٰذا سب سے پہلے حدیث اور رسول کی تعریف معلوم کرنا مناسب ہے:

حدیث:- اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات، پیدائشی اور اخلاقی صفات کو حدیث کہتے ہیں۔

قول :- آپ کا کچھ کہنا مثلاً " انما الاعمال بالنیات "

فعل :- آپ کا کچھ کرنا جیسے " توضاالنبی ﷺ ثلاثا ،ثلاثا "

تقریر :- آپ کی برقرار رکھی ہوئی چیز یعنی کسی صحابی نے آپ کے سامنے کچھ کیا یا کہا آپ کو اس کی اطلاع ملی پھر بھی آپ نے اس کی نکیر نہیں کی بلکہ سکوت اختیار کیا۔ جیسے حضرت خالدؓ کا آپ کے سامنے گوہ کھانا۔

صفات خلقیہ :- پیدائشی صفات جیسے آپ کا گورا، درمیانی قد، بھری ہوئی داڑھی والا ہونا۔

صفات خُلقیہ :- اخلاقی صفات مثلاً آپ کا صادق، امین، سخی اور صابر ہونا۔

کبھی کبھی حدیث پر خبر اور اثر کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔

رسول:- انسانوں میں سے اللہ کے وہ منتخب بندے جن کو اللہ تعالیٰ نے نئی شریعت دے کر لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔

تقسیم حدیث از روئے عدد مخبر

سب سے پہلے حدیث کی دو قسمیں ہوتی ہیں: پہلی قسم از روئے عدد مخبر (یعنی حدیث بیان کرنے والوں کی تعداد کے اعتبار سے) دوسری قسم از روئے نسبت (یعنی بیان کردہ کلام کی نسبت کہاں تک پہنچتی ہے، رسول تک پہنچتی ہے یا کسی صحابی تک، یا تابعی، یا تبع تابعی تک......)

جو تقسیم از روئے عدد مخبر کی جاتی ہے اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ مخبرین کی تعداد متعین ہے یا غیر متعین۔ اگر متعین ہے تو کتنی ہے۔ تین سے کم ہے، یا اس سے زائد۔ اگر تین یا اس سے کم ہے تو اس کو عدد قلیل اور زیادہ ہے تو اس کو عدد کثیر کہا جاتا ہے، عدد قلیل والی روایت کو خبر آحاد اور عدد کثیر والی روایت کو خبر متواتر کہتے ہیں۔ جس کی تعریف یہ ہے۔[۱]

خبر متواتر:۔ اس حسی حدیث کو کہتے ہیں جس میں روایت کرنے والوں کی تعداد ہر طبقہ میں اتنی زیادہ ہو کہ جھوٹ پر ان کا اتفاق (عقلاً و عادتاً) ناممکن ہو اور اس سے علم ضروری حاصل ہو۔ [۲]

خبر آحاد:۔ اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں روایت کرنے والوں کی تعداد کم ہو۔ (جو حد تواتر تک نہ پہنچے۔)

متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کو ''علم ضروری'' کہا جاتا ہے۔

مقبول خبر آحاد سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کو ''علم ظنی'' کہا جاتا ہے۔ الا یہ کہ اس کی صحت کیلئے کوئی اور قرینہ موجود ہو تو ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کو ''علم نظری'' کہا جاتا ہے۔

---

[۱] جن لوگوں نے متواتر کے لئے ہر طبقہ میں کم از کم چار راوی ہونے کی شرط لگائی ہے ان کے حساب سے تعریفات (یعنی غریب، عزیز، مشہور، متواتر) میں تسلسل برقرار رہتا ہے لیکن جن لوگوں نے کم از کم دس راوی کی شرط رکھی ہے جس کو صحیح بھی کہا جاتا ہے اُن کے اعتبار سے چار سے نو تک کی تعداد والی سند کو کیا کہیں گے یہ خلاء باقی رہتا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ چار سے اوپر عدد ہونے پر متواتر کا اطلاق کیا جائے۔

[۲] حسی کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز سنی ہوئی، دیکھی ہوئی یا چھوئی ہوئی ہو۔

عقلاً و عادتاً جھوٹ پر عدم اتفاق کا مطلب یہ ہے کہ خبر دینے والے سب صادق و امین ہوں یا اتنی دوری پر ہوں کی کسی کی ملاقات آپس میں نہ ہوئی ہو جب کہ سب ایک ہی طرح کی خبر دے رہے ہیں۔

قرائن خبر آحاد:

خبر آحاد کو تقویت دینے والے کچھ قرائن یہ ہیں:

۱- روایت کا صحیحین یا اُن میں سے کسی ایک میں ہونا، چونکہ علماء نے ان کتابوں کو از روئے صحت قبول کیا ہے اس لئے یہ مزید قرینہ ہوا۔

۲- اس روایت کا خبر مشہور ہونا جو متعدد طرق سے وارد ہو۔

۳- أصح الأسانید و ائمہ متقنین کے واسطہ سے آنا بشرطیکہ وہ غریب نہ ہو۔

علم ضروری:- اس علم کو کہتے ہیں جس کے ثبوت کے لئے استدلال کی ضرورت نہ ہو، اس کو "علم بدیہی" بھی کہا جاتا ہے۔

علم نظری:- اس علم کو کہتے ہیں جو بحث ونظر اور استدلال سے ثابت ہو نیز اس کے علاوہ اس کی صحت کیلئے مزید قرینہ موجود ہو۔

علم ظنی:- اس علم کو کہتے ہیں جو بحث ونظر اور استدلال سے ثابت ہو، مگر صحت کیلئے مزید قرینہ موجود نہ ہو۔ اس میں یقین کا پہلو راجح اور شبہ کا پہلو مرجوح ہوتا ہے۔

خبر آحاد جن میں راویان حدیث کی ثقاہت کے علاوہ دوسرا کوئی قرینہ نہ ہو اُن سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بھی علم یقینی ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کی بھی صحت کیلئے راویان حدیث کے حالات میں بحث ونظر کے بعد ہی استدلال کر کے حکم لگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی قرینہ بھی ہو تو اُس کی وجہ سے اس کی صحت کا درجہ بڑھ جاتا ہے اسلئے محدثین نے اس فرق کی تعبیر کیلئے ایک کو نظری اور دوسرے کو ظنی کہہ دیا، جس میں لغوی معنیٰ سے زیادہ اصطلاحی معنی کا دخل ہے۔

ظن کا معنی: ظن بدگمانی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے: (يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ) [حجرات:۱۲]

نیز یقین کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے:

(إِنِّى ظَنَنتُ أَنِّى مُلَٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾) [الحاقہ]

﴿ ٱلَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَٰقُوا۟ رَبِّهِمْ ﴾ [البقرہ: ۴۶]

﴿ وَظَنَّ أَنَّهُ ٱلْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ ﴾ [القیامۃ]

﴿ وَرَءَا ٱلْمُجْرِمُونَ ٱلنَّارَ فَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا ﴾ [الکھف: ۵۳]

شک وشبہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے:

﴿ وَمَا لَهُم بِهِۦ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ ۖ

وَإِنَّ ٱلظَّنَّ لَا يُغْنِى مِنَ ٱلْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾ ﴾ [النجم]

معنی کی تعیین کے لئے سیاق وسباق اور قرینے کی ضرورت پڑتی ہے اگر قرینہ کمزور ہو یا ظن علم ویقین اور صداقت کے مقابلے میں، یا مذمت کے لئے استعمال ہوتو وہ شک وشبہ کے معنی میں ہوتا ہے اور اگر قرینہ قوی ہو یا تعریف کے سیاق میں ہوتو وہ یقین کے معنی میں ہوتا ہے۔ قرینہ قوی ہونے کی صورت میں عموماً اَنَّ یا اَنْ کے ساتھ اور قرینہ کمزور ہونے کی صورت میں اِنْ یا اِنَّ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

نیز مقبول راویوں کے واسطے سے جو علم حاصل ہوتا ہے یہاں ''ظن'' کا استعمال تعریف کے سیاق میں ہے لہٰذا یہاں بھی ظن یقین کے معنی میں ہوگا اور اُن کے واسطے سے جو علم حاصل ہوگا وہ یقینی ہوگا۔

معلوم ہوا کہ ظن سے مراد مجرد تخمینہ اور شک وشبہ نہیں ہے بلکہ اس سے بھی علم یقینی ہی مراد ہے، اور علم کی یہ تینوں قسمیں ضروری، نظری، ظنی، ان سے جو بھی علم حاصل ہوتا ہے وہ یقینی ہوتا ہے، البتہ ان کے درجات میں فرق ہوتا ہے اصطلاح میں ایک کو ضروری، دوسرے کو نظری، تیسرے کو ظنی کہا جاتا ہے، یعنی علم یقینی ضروری، علم یقینی نظری، علم یقینی ظنی۔

متواتر کی قسمیں

متواتر کی دو قسمیں ہوتی ہیں لفظی اور معنوی۔

متواتر لفظی:- جس حدیث کا لفظ اور معنی دونوں تواتر سے ثابت ہو تو اُس کو متواتر لفظی کہا جاتا ہے۔

جیسے حدیث: **"من كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار"**

متواتر معنوی:- جس حدیث کا صرف معنی تواتر سے ثابت ہو تو اس کو متواتر معنوی کہا جاتا ہے۔

جیسے حدیث: **مسح علی الخفین**، اور حدیث: عذاب قبر۔

متواتر کے شروط:- کسی حدیث کے متواتر ہونے کیلئے چار شرطیں ہوتی ہیں۔

۱- روایت کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو جس سے علم حاصل ہو۔

۲- یہ زیادتی ابتداء سے انتہا تک ہر طبقہ میں ہو۔

۳- جھوٹ پر عقلاً یا عادۃً ان کا اتفاق ممکن نہ ہو۔

٤- اس خبر کا دارومدار حس پر ہو۔

اگر اس کا تعلق عقل سے ہے تو متواتر نہیں ہوگا۔ مثلاً ایسی چیز ہو جس پر اہل علم اپنی عقل سے استدلال کر کے یا تجربہ کی بنیاد پر متفق ہو جائیں تو اُس کو متواتر نہیں کہا جائے گا خواہ اُن کی تعداد لاکھوں میں ہو اس لئے کہ عقل سے جو چیز ثابت کی جاتی ہے اُس میں تبدیلی کا امکان ہوتا ہے۔ مثلاً آج کے سائنسداں کسی چیز پر متفق ہو جاتے ہیں لیکن بعد میں آنے والے اُس کو غلط قرار دے دیتے ہیں جیسے زمین کا گردش کرنا وغیرہ۔

خبر آحاد کی قسمیں

روایت کرنے والوں کی تعداد اگر قلیل ہے تو یہ کتنی ہے؟ تین، یا اس سے کم، اگر کسی طبقہ میں ان کی تعداد کم از کم تین ہے تو اس کو مشہور، دو ہے تو عزیز، اور ایک ہے تو غریب کہا جاتا ہے۔

مشہور:- اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں روایت کرنے والوں کی تعداد ہر طبقہ میں کم از کم تین ہو۔

جیسے حدیث: " ان الله لا يقبض العلم انتزاعا " اِس کو حضرت عائشہؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ تین صحابہ نے روایت کیا ہے۔ پھر مختلف لوگوں نے روایت کیا ہے۔

عزیز:- اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں روایت کرنے والوں کی تعداد ہر طبقہ میں کم از کم دو ہو۔

جیسے حدیث: "لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب اليه من ولده ووالده والناس أجمعين." اس کو رسول ﷺ سے حضرت انسؓ اور ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت انسؓ سے قتادہ اور عبدالعزیز نے روایت کیا ہے۔ پھر قتادہ سے شعبہ اور سعید نے۔ اور عبدالعزیز سے اسمٰعیل اور عبدالوارث نے روایت کیا ہے۔ ابتدائی سند کے اعتبار سے یہ عزیز ہے ایسے ہی حضرت انسؓ کی سند کے اعتبار سے عزیز ہے۔

غریب:- اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں روایت کرنے والوں کی تعداد کسی طبقہ میں کم از کم ایک ہو۔

جیسے صحیح بخاری کی آخری روایت: كلمتان حبيبتانِ الى الرحمن، خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان: "سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم."

اس میں ابو ہریرۃ سے ابوزرعہ، ان سے عمارہ بن قعقاع، ان سے محمد بن فضیل سب ایک دوسرے سے منفرد ہیں۔

غریب کو فرد بھی کہا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

غریب مطلق:- وہ حدیث جس کی ابتدائی سند (جدھر صحابی مذکور ہیں) میں غرابت پائی جائے۔

مثلاً کسی ایک ہی صحابی نے روایت کیا ہو، یا صحابی سے کسی ایک ہی تابعی نے روایت کیا ہو۔ جیسے حدیث: "الايمان بضع وسبعون شعبة افضلها لا اله الا الله"

اس میں ابوصالح، ابوہریرۃ سے منفرد ہیں۔ اور عبداللہ بن دینار، ابوصالح سے منفرد ہیں۔

غریب نسبی: -وہ حدیث جس میں درمیانِ سند (تبع تابعی یا اس کے بعد) غرابت پائی جاتی ہو۔

جیسے حدیث ابن مسعودؓ : **قلت یا رسول اللہ ای الذنب أعظم؟ قال: "أن تجعل للہ ندا وھو خلقک"** اس میں عبدالرحمٰن بن مہدی، امام ثوری سے منفرد ہیں اور امام ثوری، واصل ابن احدب سے منفرد ہیں۔

باعتبارِ اصطلاح فرد کا اطلاق محدثین کے یہاں عموماً فردِ مطلق پر اور غریب کا فردِ نسبی پر ہوتا ہے۔ لیکن باعتبار استعمال کوئی فرق نہیں ہوتا۔ فردِ مطلق و نسبی دونوں کے لئے "**تفرد بہ فلان**" کہا جاتا ہے۔

طبقہ: - ہم عصر راوی عمر میں یا مشائخ سے حدیث روایت کرنے میں ایک دوسرے کے برابر، یا تقریباً برابر ہوں تو ان کو طبقہ (موافق جماعت) کہا جاتا ہے۔ جیسے

مالک	**عن نافع**	**عن ابن عمر**
ایوب سختیانی	**عن ابن سیرین**	**عن ابی ھریرۃ**
شعبۃ	**عن قتادۃ**	**عن انس**

اس میں مالک، ایوب، شعبہ ایک طبقہ کے ہیں۔ اسی طرح سے نافع، ابن سیرین اور قتادہ ہم طبقہ ہیں۔ ایسے ہی ابن عمر، ابوہریرہ، حضرت انس بحیثیتِ صحابی ہم طبقہ ہیں۔

خبر آحاد کی باعتبار قبول اور عدم قبول دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک کو مقبول (قابل عمل) دوسرے کو مردود (نا قابل عمل) کہا جاتا ہے۔

مقبول: -اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں خبر دینے والی کی سچائی راجح ہو۔

مردود: -اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں خبر دینے والی کی سچائی مرجوح ہو۔ (راجح نہ ہو۔)

مقبول کی قسمیں

مقبول روایت کی دو بنیادی قسمیں ہیں صحیح اور حسن، پھران میں سے ہرایک کی دودو قسمیں ہیں:

صحیح لذاته — صحیح لغیره

حسن لذاته — حسن لغیره

صحیح لذاته:- اس متصل السند حدیث کو کہتے ہیں جسکو عادل، تام الضبط راوی نے اپنے ہم مثل راوی سے روایت کیا ہواور وہ حدیث معلل وشاذ نہ ہو۔

صحیحین کی روایتیں اسی طرح کی ہوتی ہیں جیسے : "من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین"

یعنی صحیح حدیث کے لئے تین چیزوں (اتصال سند، کمال عدالت، کمال ضبط) کا ہونا اور دو چیزوں (علت اور شذوذ) کا نہ ہونا بیک وقت ضروری ہے اس میں سے کسی ایک کی بھی کمی پائی گئی تو وہ حدیث صحیح نہیں ہوگی۔

متصل السند:- (یا اتصال سند، یا متصل) کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا سے لے کر انتہا تک سند میں کہیں انقطاع یا سقوط نہ ہو، اس میں سے ہر راوی نے اپنے اوپر والے راوی سے بغیر کسی واسطہ کے خود بخود روایت کیا ہو۔

عدالت اور ضبط کی بحث اسباب طعن (یعنی روایت ضعیف ہونے کے اسباب کیا ہیں) میں تفصیل سے آئے گی یہاں بس اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے۔

عادل:- اس راوی کو کہتے ہیں جو (روایت بیان کرتے وقت) مسلمان، عاقل، بالغ ہو، نیز گناہ کبیرہ اور مروت کو ختم کرنے والی چیزوں سے ہمیشہ محفوظ رہتا ہو۔

ضابط:- اس راوی کو کہتے ہیں جو اپنی مرویات کو بہت اچھی طرح سے محفوظ رکھتا ہو۔

یعنی اگر اس کا اعتماد یادداشت پر ہے تو روایت اسطرح سے یاد ہو کہ جہاں چاہے اس کے بیان کرنے پر قادر ہو۔

اور اگر کتاب پر اعتماد ہے تو اپنی کتاب کو پوری طرح خرد برد سے محفوظ رکھتا ہو۔
اگر روایت بالمعنیٰ کرتا ہے تو مفہوم کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔
نیز کسی قسم کی غفلت اور سستی نہ کرتا ہو۔

معلل: - اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں علت پائی جائے۔

علت: - ایسا پوشیدہ اور باریک سبب ہے جو حدیث کی صحت کے لئے مانع ہو، حالانکہ بظاہر صحیح معلوم ہو۔

علت کی گرفت بڑے بڑے ائمہ فن ہی کر پاتے ہیں کبھی کبھی اس کی تعبیر بھی مشکل ہوتی ہے، جس طرح ایک ماہر سنار کھرے اور کھوٹے کو بتا دیتا ہے لیکن اگر اس سے سبب یا علامت پوچھا جائے تو ممکن ہے کہ نہ بتا سکے۔ جیسے حدیث عبداللہ بن مثنیٰ، عن ثمامة، عن انس مرفوعا: "اذا وقع الذباب فی اناء احدکم" اس حدیث میں علت یہ ہے کہ عبداللہ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے عن ثمامہ، عن ابی ہریرہ روایت کیا ہے۔ لہٰذا ابو ہریرہ کی روایت صحیح اور انس کی روایت معلل ہے۔

شاذ: - اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو ثقہ راوی اوثق (اپنے سے زیادہ ثقہ) راوی کے خلاف روایت کرے۔

جیسے: "انه أخذ لأذنيه ماءً خلاف الماء الذی أخذه لراسه" یہ بیہقی کی روایت ہے۔ جو شاذ ہے اس لئے کہ ابن وہب سے اس کو زیادہ تر راویوں نے اس طرح روایت کیا ہے۔ "انه مسح براسه بماء غير فضل يديه"

معرفت صحیح :-

۱- ایسی کتاب میں ہونا جس میں صحت کا التزام کیا گیا ہو۔
۲- ائمہ فن یا کسی قابل اعتماد امام کا تصحیح کرنا۔
۳- صحیح کے شروط کے مطابق سند و متن کے حالات کو دیکھ کر صحت کا فیصلہ کرنا۔

درجات صحیح:۔

۱۔ وہ روایت جو متفق علیہ ہے۔

۲۔ وہ روایت جو صرف صحیح بخاری میں ہے۔

۳۔ وہ روایت جو صرف صحیح مسلم میں ہے۔

۴۔ وہ روایت جو ان میں سے کسی میں نہیں ہے، لیکن ان دونوں کی شرط پر ہے۔

۵۔ وہ روایت جو امام بخاری کی شرط پر ہے۔

۶۔ وہ روایت جو امام مسلم کی شرط پر ہے۔

۷۔ وہ روایت جو شیخین کے علاوہ دوسرے اماموں کے یہاں صحیح ہے۔

صحیح لغیرہ:۔ اس متصل السند حدیث کو کہتے ہیں جس کو عادل، خفیف الضبط راوی نے اپنے ہم مثل یا اپنے سے بہتر راوی سے روایت کیا ہو نیز وہ حدیث معلل اور شاذ نہ ہو اور مختلف طرق سے وارد ہو۔

جیسے ''کان یاخذ البعیر با لبعیرین والثلاثۃ'' جس کو امام احمد نے محمد ابن اسحاق سے اور امام بیہقی نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے۔ ان دونوں کی روایت اگر یہ منفرد ہوں تو حسن ہوتی ہے لیکن اکٹھا ہونے پر صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے۔

صحیح لذاتہ و لغیرہ میں فرق:۔ صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ میں فرق یہ ہے کہ صحیح لذاتہ کا راوی تام الضبط (مکمل ضبط والا) ہوتا ہے، جبکہ صحیح لغیرہ کا راوی خفیف الضبط (کم ضبط والا) ہوتا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ صحیح لذاتہ کیلئے متعدد طرق سے آنے کی شرط نہیں ہے وہ فی نفسہ صحیح ہوتی ہے، جبکہ صحیح لغیرہ کے لئے تعدد طرق ضروری ہے یہ متعدد طرق سے آنے کی وجہ سے صحیح ہوتی ہے اگر تعدد طرق نہ ہو تو حسن رہتی ہے۔

حسن لذاتہ:۔ اس متصل السند حدیث کو کہتے ہیں جس کو عادل، خفیف الضبط راوی نے اپنے ہم مثل یا اپنے سے بہتر راوی سے روایت کیا ہو نیز وہ حدیث معلل و شاذ نہ ہو۔

جیسے : ''مفتاح الصلاۃ الطھور وتحریمھا التکبیر'' اس کے راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل صدوق (خفیف الضبط ہیں) لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں بلکہ حسن لذاتہ ہے۔

حسن لذاتہ وصحیح لذاتہ میں فرق :- حسن لذاتہ اور صحیح لذاتہ میں صرف قلت ضبط اور کثرت ضبط کا فرق ہوتا ہے حسن لذاتہ کا راوی خفیف الضبط، اور صحیح لذاتہ کا راوی تام الضبط ہوتا ہے بقیہ تعریف بالکل یکساں ہے۔

حسن لذاتہ وصحیح لغیرہ میں فرق :- حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ کی تعریف بالکل یکساں ہے صرف فرق یہ ہے کہ حسن لذاتہ میں تعدد طرق نہیں ہوتا ہے جبکہ صحیح لغیرہ میں تعدد طرق ہوتا ہے، اور یہی حسن لذاتہ جب متعدد طرق سے آجاتی ہے تو صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے۔

حسن لغیرہ :- اس خفیف الضعف حدیث کو کہتے ہیں جو متعدد طرق سے وارد ہو۔ یا اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں صحیح یا حسن کی بعض یا مکمل صفات نہ پائی جائیں۔

جیسے حدیث ''اذامد یدیہ للدعاء لم یردھما حتی یمسح بھما وجھہ'' یہ روایت مختلف طرق سے مروی ہے لیکن سب ضعیف ہیں پھر بھی کچھ اہل علم نے متعدد طُرق کی بنا پر اس کو حسن کہا ہے۔

ضعف خفیف :- اگر روایت راوی کی سوءِ حفظ، جہالت، یا سند میں انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہو تو اس کو ضعف خفیف کہا جاتا ہے۔

یہ چاروں قسم کی روایتیں (یعنی **صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ**) عملاً مقبول اور قابل حجت ہوتی ہیں اگرچہ ان کے درجات میں فرق ہوتا ہے، تعارض کی صورت میں اگر ترجیح کی ضرورت پڑتی ہے تو کمتر درجہ کی روایت کو مرجوح اور قوی درجہ کی روایت کو راجح قرار دیا جاتا ہے، ان کے درجات کے فرق کا فائدہ یہیں ظاہر ہوتا ہے ورنہ عملاً سب برابر ہیں۔

حسن صحیح کا اجتماع:- کبھی کبھی ایک ہی حدیث پر حسن اور صحیح دونوں کا حکم بیک وقت لگا دیا جاتا ہے جبکہ دونوں کی تعریف میں فرق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس طرح کی روایت ایک ہی سند سے مروی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ محدث کو اس حدیث پر حکم لگانے میں تردد ہو گیا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ایسی صورت میں "حسن صحیح " کی اصل عبارت "أو" کے اضافہ کے ساتھ اس طرح ہوگی: " حسن أو صحیح "

اور اگر یہ روایت دو سند سے مروی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک سند سے صحیح ہے اور ایک سند سے حسن ہے۔ اور اصل عبارت "و" کے اضافہ کے ساتھ اس طرح ہوگی: "حسن و صحیح" کثرت استعمال کی وجہ سے "أو" اور "و" ساقط ہو گیا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سند سے حسن لذاتہ اور دوسری سند سے صحیح لغیرہ ہو۔ پہلی صورت میں مجرد صحیح کے مقابلہ میں اس کا درجہ کم ہوگا اس لئے کہ یہاں صحیح ہونے میں تردد ہے۔

حسن غریب کا اجتماع:- جمہور نے حسن کی جو تعریف کی ہے اُس سے حسن اور غریب کے اجتماع میں کوئی اشکال نہیں، اشکال صرف امام ترمذی نے حسن کی جو تعریف اپنی کتاب میں کی ہے کہ "روی من غیر وجه" کہ وہ حدیث مختلف طُرق سے مروی ہو وہاں ہے، وہ اشکال یہ ہے کہ اگر مختلف طُرق سے ہے تو غریب کیسے ہوگی؟

جواب یہ ہے کہ امام ترمذی نے جہاں اپنی کتاب میں صرف "حسن" کہا ہے یہ تعریف صرف اُس کے لئے ہے اور جہاں " حسن غریب" یا" حسن " کے ساتھ کچھ اور کہا ہے تو اس کے لئے نہیں ہے۔

کبھی کبھی یہ مقبول روایتیں آپس میں متعارض ہوتی ہیں ایسی صورت میں ان پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تعارض کو ختم کر کے ان کے مفہوم کی تعیین کر لی جائے

جس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ کچھ اصطلاحی نام یہ ہیں:

تعارض:۔ دو یا اس سے زائد حدیثوں کے مفہوم کا بظاہر ایک دوسرے کے خلاف اور مدمقابل ہونا۔

مختلف الحدیث:۔ مقبول روایت اگر اپنے ہم مثل روایت سے متعارض ہو جس میں توفیق ممکن ہو تو اس کو مختلف الحدیث کہا جاتا ہے۔

جیسے "**لا عدوی ولا طیرۃ**" اور "**فر من المجذوم کما تفر من الأسد**"

محکم:۔ مقبول روایت اگر اپنے ہم مثل روایت سے متعارض نہ ہو تو اس کو محکم کہتے ہیں۔

جیسے "**انما الاعمال بالنیات**"

محکم روایت پر اس سے ماخوذ حکم کے مطابق عمل کرنا واجب اور ضروری ہے۔

مختلف الحدیث (متعارض روایت) پر عمل، تعارض کے ختم ہونے تک موقوف رہتا ہے۔ تعارض ختم کرنے کی ترتیب وار تین صورتیں ہیں جمع، نسخ اور ترجیح۔

جمع:۔ دو متعارض روایتوں کے مفہوم میں ایسی مماثلت اور موافقت پیدا کرنا جو اس کا احتمال رکھتی ہوں۔

مثلاً عام کو خاص کرنا، مطلق کو مقید کرنا، مفہوم کی نوعیت کو الگ الگ اشیاء پر محمول کرنا وغیرہ جو توفیق اور تطبیق کے طریقے ہیں۔

مثلاً سابقہ روایتوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ پہلی روایت کا معنی عام ہے اور دوسری روایت میں مجذوم سے بھاگنے کا حکم سدِ ذریعہ کے لئے ہے۔ یعنی یہ ممکن ہے کہ کوئی تندرست کسی مریض کے پاس جائے اور اللہ کی مرضی سے اُس کو بھی وہی بیماری لگ جائے تو وہ آدمی یہ سمجھ لے کہ یہاں آنے کی وجہ سے بیماری لگی ہے، نہیں آتا تو نہیں لگتی، اس طرح اس کا عقیدہ خراب ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مریض کے پاس جانے سے منع کر دیا گیا۔ گویا کہ یہ حکم اُس شخص کے لئے خاص ہے جس کا عقیدہ کمزور ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بیماری خود بخود نہیں پھیلتی اللہ کے حکم سے پھیلتی ہے اور

کبھی اللہ تعالیٰ مریض کے پاس جانے کو سبب بنا دیتا ہے لہٰذا فرار کا حکم سبب کے خاتمے کے لئے کیا گیا ہے۔

اگر دونوں روایتوں میں توفیق ممکن نہ ہو تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ان میں سے کون پہلے کی ہے اور کون بعد کی، اس طرح سے ناسخ و منسوخ کے سہارے فیصلہ کیا جائے گا بشرطیکہ نسخ کے سارے شرائط پائے جائیں اور اس کی معرفت کے سارے ذریعے درست ہوں۔

نسخ:- کسی متقدم شرعی حکم کو اسی کے مثل متاخر شرعی حکم سے اٹھا دینا۔

ناسخ:- اس متاخر حدیث کو کہتے ہیں جو متقدم حدیث کے حکم کو ختم کر دے۔

منسوخ:- اس متقدم حدیث کو کہتے ہیں جس کا حکم کسی متاخر حدیث کے ذریعہ سے اٹھا لیا گیا ہو۔

جیسے۔ ''کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا''

نسخ کی معرفت :-

۱- رسول کی خبر سے۔ جیسے ''کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا''

۲- صحابی کی خبر سے۔ جیسے حضرت جابرؓ کا کہنا :'' کان آخر الأمرین ترک الوضوء ممامستہ النار''

۳- تاریخ سے جیسے۔ شداد بن اوس کی حدیث ''افطرا الحاجم والمحجوم'' اور ابن عباس کی حدیث ''احتجم وھو محرم صائم''

پہلی روایت فتح مکہ ۸ھ کی ہے اور دوسری روایت حجۃ الوداع ۱۰ھ کی ہے۔ اس لئے کہ آپ حالت احرام میں اسی وقت تھے۔

۴- اجماع امت سے۔ یہ خود ناسخ نہیں بلکہ نسخ پر دلیل ہے جیسے ''چور کا پانچویں مرتبہ چوری کرنے پر قتل کر دینا'' یہ مخالف ہے صحابہ کے اُس عمل کے جس میں ہے کہ ''پانچویں مرتبہ چور کو لایا گیا لیکن قتل نہیں کیا گیا۔'' گویا کہ نہ قتل کرنے پر صحابہ کا اجماع

ہے۔ان کا قتل نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کو کوئی دوسرا حکم معلوم تھا۔

اگر ناسخ ومنسوخ کی صورت بھی نہ بن پڑے تو پھر ایک کو دوسرے پر ترجیح دیا جائے گا۔

ترجیح:۔ دو متعارض روایتوں میں سے ایک کا کسی ایسی چیز سے متصف ہونا جو اس کے مطلوبہ مفہوم کی تعیین کر کے اس پر عمل، اور دوسرے کے ترک کو واجب قرار دے۔

ترجیح کی بے شمار صورتیں ہوتی ہیں کچھ کا تعلق سند سے ہوتا ہے اور کچھ کا متن سے اور کچھ کا خارجی امور سے جس کی تفصیل مطولات میں موجود ہے۔

اگر تینوں کیفیتوں میں سے کوئی کیفیت ممکن نہ ہو۔ یہ صورت صرف ذہنی ہے ایسی کوئی مثال نہیں مل سکتی جس میں جمع کی کوئی صورت نہ ہو۔ تو ایسی صورت میں صحیح رائے کے مطابق توقف کرنا بہتر ہے: یعنی دونوں میں سے کسی پر عمل نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ ترجیح واضح ہو جائے۔

مردود کی قسمیں

قبول اور عدم قبول کے اعتبار سے حدیث کی دوسری قسم کو مردود کہتے ہیں مردود روایتوں کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

روایتوں کے مردود (ضعیف) ہونے کے دو بنیادی اسباب ہوتے ہیں۔

۱-سند میں انقطاع: (یعنی سند کے کسی حصہ سے کوئی راوی ساقط ہو گیا ہو۔)

۲ - راوی میں عیب:۔ (یعنی راوی کی عدالت یا ضبط میں خلل ہو۔)

۱ - سند میں انقطاع

سقوط کبھی ابتدائی سند میں ہوتا ہے کبھی وسط سند، اور کبھی آخر میں، کبھی مسلسل ہوتا ہے، کبھی غیر مسلسل، کبھی واضح ہوتا ہے اور کبھی مخفی اس طرح سے اس کی مختلف شکلیں بنتی ہیں۔ جس کی دو بنیادی قسمیں ہیں:

سقوط جلی . سقوط خفی

سقوط جلی کی قسمیں:-

معلق:- اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی ابتدائی سند یا مکمل سند ساقط ہو۔

مرسل:- [مرسل ظاہر] اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی آخری سند ساقط ہو (یعنی کوئی تابعی صحابی کو چھوڑ کر رسول ﷺ سے بلاواسطہ روایت کرے۔)

منقطع:- اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی درمیانی سند (کہیں سے بھی) غیر مسلسل ساقط ہو۔

منقطع کا اطلاق ہر غیر متصل سند پر بھی ہوتا ہے۔

معضل:- اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے اثنائے سند سے دو یا دو سے زائد راوی مسلسل ساقط ہوں۔

سقوط خفی کی قسمیں:- [ارسال، تدلیس]

ارسال:- کوئی راوی کسی ایسے شخص سے روایت کرے جس کا ہم عصر نہ ہو۔ یا ہم عصر ہو مگر کبھی ملاقات نہ ہوئی ہو۔

ارسال کی قسمیں:-

ارسال ظاہر:- راوی ایسے شخص سے روایت کرے جس کا ہم عصر نہ ہو۔

ارسال خفی:- راوی ایسے شخص سے روایت کرے جس کا ہم عصر ہو لیکن ملاقات نہ ہوئی ہو۔

اسباب ارسال:-

۱- روایت کا مشہور ہونا یا مختلف اساتذہ سے پڑھی ہوئی ہونا۔

۲- استاد کا نام جس سے روایت سنی ہے بھول جانا۔

۳- مجلس درس میں نہیں بلکہ مجلس مذاکرہ میں سننا۔

۴- بطور تحدیث نہیں بلکہ بطور فتویٰ سننا۔

۵- ضعیف کو ساقط کرنے کے لئے ارسال کرنا (جو تدلیس کے ضمن میں آتا ہے۔)

عمل ارسال کا حکم :- اگر مرسِل ثقہ سے ارسال کرتا ہے تو جائز ہے اور غیر ثقہ سے کرتا ہے تو ناجائز ہے اور اگر مختلف فیہ سے کرتا ہے تو سبب ارسال کے اعتبار سے جائز یا ناجائز ہوگا۔

تدلیس:- عیب دار سند کو بظاہر حسین بنا کر سامع کو تذبذب میں ڈالنا۔

تدلیس کی قسمیں:- تدلیس اسناد اور تدلیس شیوخ

تدلیس اسناد :- یہ ہے کہ راوی اپنے استاد سے نہ سنی ہوئی روایت ایسے صیغہ سے بیان کرے جس سے سماع کا وہم ہو رہا ہو۔ (مثلاً قال، عن) جب کہ اس کے پاس استاد کی جانب سے **اجازۃ** یا **وجادۃ** بھی موجود نہ ہو۔

تدلیس اسناد کی قسمیں:-

تدلیس تسویہ:- یہ ہے کہ کوئی راوی دو ثقہ راویوں کے درمیان سے جن کی ملاقات ایک دوسرے سے ہو کسی ضعیف راوی کو حذف کر دے اور ایسا صیغہ استعمال کرے جس سے سماع کا احتمال ہو رہا ہو۔

تدلیس عطف:- یہ ہیکہ راوی دو افراد سے روایت کرے (جبکہ اس نے یہ روایت صرف ایک ہی سے سنی ہے دوسرے سے نہیں) پھر پہلے استاد کیلئے صیغہ سماع استعمال کر کے دوسرے کو اس کیساتھ بیان کر دے جس سے اس سے بھی سماع کا دھوکہ ہو رہا ہو۔

تدلیس قطع:- یہ ہے کہ راوی صیغہ ادا استعمال کر کے خاموش ہو جائے (جس کا مقصد سند کا حذف کرنا ہو) پھر کچھ دیر بعد آگے کی سند بیان کرے۔

اس کو تدلیس سکوت نیز تدلیس حذف بھی کہا جاتا ہے۔

تدلیس شیوخ:- یہ ہے کہ راوی اپنے استاذ کو کسی ایسی صفت سے بیان کرے جو غیر معروف ہو۔

سقوط کا حکم:- سقوط کی ان جملہ قسموں کی روایتیں راوی کی جہالت اور عدم

اتصال کی بنا پر ضعیف ہوتی ہیں۔ البتہ اگر معلق روایت صحیح بخاری کی ہے اور وہ صیغہ جزم سے آئی ہو تو صحیح ہے اور اگر صیغہ تمریض سے ہے تو قابل بحث ونظر ہے۔

حافظ ابن حجر نے تمام معلقات کو شمار کر کے اُن پر مفصل گفتگو کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ تمام معلقات متصل ہیں۔

مرسل کا حکم: - البتہ مرسل کے ضعیف ہونے میں علماء کا اختلاف ہے کیوں کہ مرسل اور دیگر سقوط میں فرق ہوتا ہے۔ مرسل میں عموماً صحابی ساقط ہو جاتا ہے جس کی جہالت سے روایت پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بھی ضعیف ہے اس لئے کہ یہاں پر صحیح کی دو شرطیں مفقود ہوتی ہیں ایک تو اتصال سند نہیں، دوسرا یہ کہ یہ محذوف راوی غیر صحابی بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں جہالت قابل ضرر ہے، ارسال کی صورت میں کبھی کبھی پانچ تابعین کا ایک دوسرے سے روایت کرنے کا پتہ چلا ہے، نیز حدیث رسول میں احتیاط کا یہی تقاضا بھی ہے۔

البتہ مرسلِ صحابی جس میں ایک صحابی دوسرے کا نام چھوڑ کر رسول سے بیان کرے تو وہ صحیح اور قابل قبول، اس لئے کہ یہاں جہالتِ صحابی ہے جو قابل ضرر نہیں ہے۔

ارسال کا حکم :- عدم اتصال اور جہالت کی وجہ سے روایت ضعیف ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ثقہ سے ارسال کیا ہے تو صحیح ہے۔

تدلیس اسناد کا حکم: - تدلیس اسناد کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان میں تدلیس تسویہ سب سے بدتر ہے۔ علماء نے اس کی بڑی مذمت کی ہے۔ "بقیہ بن ولید" اس کام میں بہت مشہور ہیں اس لئے علماء نے اُن کے بارے میں کہا ہے کہ: "**أحاديث بقية، ليست نقية ، فكن منه على تقية**"

تدلیس تسویہ اور تدلیس قطع کی صورت میں روایت ضعیف ہوتی ہے اس لئے کہ پہلی صورت میں ضعیف راوی محذوف ہوتا ہے اور دوسری صورت میں انقطاع پایا جاتا ہے جب کہ اس شر کو چھپانے کے لئے بیان کا ایسا کلمہ استعمال کیا گیا ہے جو سماع اور

عدم سماع دونوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ راوی نے وہاں عدم سماع ہی مراد لیا ہے پھر بھی سننے والوں کو دھوکہ ہو سکتا ہے اس لئے جب بھی احتمال کا صیغہ مدلس راوی استعمال کرتا ہے تو شبہ پیدا ہو ہی جاتا ہے، یہی صیغہ اگر غیر مدلس راوی استعمال کرے تو کوئی شبہ نہیں ہوتا اور نہ روایت پر کوئی فرق پڑتا ہے۔

تدلیس کرنے سے اگرچہ راوی کلی طور سے مجروح نہیں ہوتا لیکن اس کے صیغہ بیان پر نگاہ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے، جس کا عمومی قاعدہ یہ ہے کہ اگر مدلس راوی محتمل صیغہ (یعنی عنعنہ یا انانہ وغیرہ سے روایت کرتا ہے) تو روایت ضعیف ہوگی اور اگر صریح صیغہ (یعنی سماع یا تحدیث یا اخبار وغیرہ) سے روایت کرتا ہے تو صحیح ہوگی۔

اس طرح سے کوئی مدلس راوی اگر ایسے استاذ سے عنعنہ سے روایت کرتا ہے جس سے اس نے بکثرت روایت کیا ہے تو وہ قابل قبول ہے جیسے امام اعمش کی روایت ابووائل، ابراہیم نخعی اور ابوصالح ذکوان سے۔

نیز کوئی راوی جو کسی مدلس سے روایت کرتا ہے اگر وہ مدلس کی روایتوں کی چھان بین کر کے اس کے عنعنہ کی ذمہ داری لے لے تو وہ بھی قابل قبول ہے۔ جیسے امام شعبہ کی روایت امام اعمش، قتادہ، ابواسحاق سبیعی سے۔

ایسے ہی وہ راوی جو صرف ثقہ ہی سے تدلیس کرتا ہے تو اس کا عنعنہ بھی مقبول ہوتا ہے۔ جیسے سفیان بن عیینہ۔

طبقات مدلسین:- مدلس راویوں کے درجات اور طبقات ہوتے ہیں انہیں کے اعتبار سے ان کی روایتوں پر حکم لگایا جاتا ہے ان کے کل پانچ درجے ہیں۔

۱- جس نے شاذ و نادر تدلیس کیا ہو، ایسے راویوں کی تعداد (۳۳) ہے۔

۲- جو عظیم المرتبہ حضرات ہیں اور جملہ مرویات کے اعتبار سے ان کی تدلیس نسبتاً کم ہے ان کی تعداد بھی (۳۳) ہے۔

۳- جس نے بکثرت تدلیس کیا ہے ان کی تعداد (۵۰) ہے۔

۴- جس نے ضعفاء اور مجاہیل سے تدلیس کیا ہے ان کی تعداد صرف (۱۲) ہے۔

۵- جو تدلیس کے ساتھ ساتھ دیگر اسباب کی بنا پر ضعیف ہوں۔ان کی تعداد (۲۴) ہے۔

ان میں سے پہلے اور دوسرے قسم کے لوگوں کی تدلیس قابل قبول ہوتی ہے۔ تیسرے اور چوتھے درجے کے لوگوں کی روایتیں اس صورت میں قابل قبول ہوں گی جب سماع کی تصریح پائی جائے۔ پانچویں نمبر کے لوگوں کی روایت کبھی قابل قبول نہیں ہوتی۔

تدلیس عطف کی صورت میں روایت قابل قبول ہوتی ہے کیوں کہ اس کی ایک سند میں سماع کی صراحت ہوتی ہے اس لئے انقطاع نہیں پایا جاتا۔

تدلیس شیوخ کا حکم :- تدلیس شیوخ کبھی راوی کی کم عمری، یا کم علمی، یا ضعف کے باعث کیا جاتا ہے، کبھی طلبہ کا امتحان کے لئے کیا جاتا ہے، لہٰذا اس پر حکم اسی اعتبار سے لگایا جاتا ہے، عمومی قاعدہ یہ ہے کہ اگر عیب کو چھپانے کیلئے کیا گیا ہے تو روایت ضعیف ہوگی ورنہ مقبول ہوگی۔

تدلیس اور ارسال کی معرفت:-

۱- تدلیس اور ارسال کی معرفت خود اس راوی کے بتانے سے ہوتی ہے۔

۲- کسی امام کی وضاحت سے یعنی امام نے یہ واضح کر دیا ہو کہ مروی عنہ سے اس کی ملاقات نہیں ہے، یا ملاقات ہے مگر اس خاص حدیث کو نہیں سنا ہے۔

تدلیس اور ارسال میں فرق:- تدلیس میں راوی اور مروی عنہ سے ملاقات ہوتی ہے۔ارسال میں ملاقات نہیں ہوتی۔

معنعن:- اس سند کو کہتے ہیں جس کو "عن فلان" کہہ کر بیان کیا جائے۔

مأنئن (مؤنن):- اس سند کو کہتے ہیں جس کو "أنّ فلانا" کہہ کر بیان کیا جائے۔

مقوّل:- وہ سند جس کو "قال فلان" کہہ کر بیان کیا جائے۔

یہ تینوں صیغے سماع اور عدم سماع دونوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

۲- راوی میں عیب

حدیث کے ضعیف ہونے کی دوسری وجہ راوی میں عیب کا پایا جانا ہے، راوی میں عیب کی پہلی وجہ عدالت کا فقدان یا اس کی کمی ہے، دوسری وجہ ضبط کا فقدان یا اس کی کمی ہے، عدالت اور ضبط میں عیب کی دس شکلیں بنتی ہیں جن کو ''اسباب جرح'' کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی عیب اگر راوی میں پایا گیا تو اس کی روایت ضعیف اور مردود ہوگی۔

عدالت:- ایک ایسا ملکہ ہے جو انسان کو تقوی اور مروت کے التزام پر ابھارتا ہے۔

تقویٰ:- اعمال حسنہ پر عمل کرنا اور اعمال سیۂ سے اجتناب کرنا۔

مروت:- ایسا فطری ملکہ ہے جو انسان کو ناپسندیدہ چیزوں سے اجتناب اور پسندیدہ چیزوں پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

شروط عدالت:- عدالت کے لئے راوی کا مسلمان، عاقل، بالغ ہونا نیز اسباب فسق اور مروت کو ختم کرنے والی چیزوں سے محفوظ ہونا ضروری ہے۔ یہ عدالت کے لئے شرط ہے اس میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو راوی عادل نہیں کہا جائے گا نتیجتاً اس کی روایت ضعیف اور مردود ہوگی۔

عادل:- ہر وہ مسلمان جو عاقل و بالغ ہو، اور اسباب فسق و مروت کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے محفوظ ہو۔

عادل کی اس تعریف سے ہر وہ شخص خارج ہو جاتا ہے جو حدیث بیان کرتے وقت کافر یا نابالغ ہو۔ حدیث سنتے کے وقت کوئی شخص کافر رہا ہو، یا بچہ سن تمیز میں رہا ہو، تو اس کی روایت مقبول ہوگی اگر حدیث بیان کرتے وقت حالت کفر اور حالت طفلی سے نکل گیا ہو۔

اسی طرح سے مجنون، حدیث رسول میں جھوٹ بولنے والا، عام باتوں میں جھوٹ بولنے والا، فاسق، بدعتی، مجہول، بے مروّت، سب عدالت کے زمرے سے

نکل جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کی روایت ضعیف ہوتی ہے، اور جس طرح سے ان کے درجات ہوں گے اسی طرح سے ان کی روایت کے ضعیف ہونے میں بھی درجات ہوں گے۔ کسی کی روایت موضوع، کسی کی بالکل ضعیف، کسی کی ضعیف اور کسی کی کم ضعیف ہوگی۔

ضبط:- راوی کا اپنی روایت کو بہت اچھی طرح سے محفوظ رکھنا۔

اس کی دو قسمیں ہیں: ضبط صدر اور ضبط کتاب۔

ضبط صدر:- کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنی پڑھی ہوئی حدیث کو اس طرح سے یاد رکھے کہ جب چاہے اور جہاں چاہے اس کے بیان کرنے پر قادر ہو۔

ضبط کتاب:- کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنی تحریر کردہ حدیث کو خرد برد سے اچھی طرح محفوظ رکھے۔

شروط ضبط:- ضبط کیلئے یہ ضروری ہے کہ راوی:

۱- بیدار مغز ہو اور مغفل نہ ہو۔

۲- اپنی روایت کو اگر یادداشت سے بیان کرتا ہے تو اچھی طرح یاد ہو۔

۳- کتاب سے بیان کرتا ہے تو کتاب بالکل محفوظ ہو۔

٤- حدیث کا مفہوم بیان کرتا ہے تو مفہوم کو بخوبی سمجھتا ہو۔

ضبط کی اس شرط سے وہ راوی نکل جاتا ہے جو مغفل، بہت زیادہ غلطی کرنے والا، بہت زیادہ بھولنے والا، ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے والا، یا یادداشت کا کمزور، اپنی کتاب کو محفوظ نہ رکھنے والا، الفاظ و معنی کو نہ جاننے والا ہو۔

عدالت و ضبط کی معرفت:-

عدالت کی معرفت دو طرح سے ہوتی ہے:

۱- اچھائی میں مشہور ہونا۔

۲- کسی امام فن کا اطلاع دینا۔

ضبط کی معرفت دوسروں کی روایت سے اُس کی روایت کا موازنہ کرنے سے یا امتحان لینے سے معلوم ہوتا ہے۔

عدالت اور ضبط جب صحیح اور درست ہوں تو راوی کو ثقہ کہا جاتا ہے۔ اگر ان میں خامی ہو تو راوی ضعیف ہو جاتا ہے۔ ان خامیوں کی وجہ سے جو کمزوری آتی ہے علماء نے ان کو دس قسموں میں تقسیم کیا ہے جن کو ''اسباب جرح'' کہا جاتا ہے: پانچ کا تعلق عدالت سے ہے اور پانچ کا ضبط سے، جن کا تعلق عدالت سے ہے وہ یہ ہیں:

اسباب جرح:-

۱- راوی کا حدیث رسول میں جھوٹ بولنا۔

۲- جھوٹ کا الزام لگنا۔ ۳- فاسق ہونا۔

٤- مجہول ہونا۔ ۵- بدعتی ہونا۔

اور جن کا تعلق ضبط سے ہے وہ یہ ہیں:

۱- راوی کا بہت زیادہ غلطی کرنا۔ ۲- بہت زیادہ مغفل اور لاپرواہ ہونا۔

۳- بہت زیادہ وہم ہونا۔ ٤- ثقہ کی مخالفت کرنا۔

۵- کمزور یادداشت کا ہونا۔

از روئے شدت ضعف ان کی ترتیب اس طرح سے ہے:

الکاذب، متهم بالکذب، فحش الغلط، فحش الغفله، الفسق، الوهم ،مخالفة الثقه، الجهالة، البدعة، اُن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱- الکاذب:- (جھوٹا) یعنی وہ شخص جو جان بوجھ کر رسول کی جانب جھوٹی بات منسوب کرے چاہے وہ خود اس کی گھڑی ہوئی ہو یا کسی دوسرے نے گھڑی ہو، اسی طرح سے اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو حدیث بیان کرنے میں غلطی کرتا ہے جب اُس پر تنبیہ کی جاتی ہے تو محض عناد اور تکبر کی بنا پر وہ غلطی سے رجوع نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ "من حدث عنی حدیثا وھو یری انه

كذب فهو أحد الكاذبين." جو شخص ہماری جانب ایسی حدیث منسوب کرے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ حدیث غلط ہے تو یہ بھی جھوٹا ہے۔

اس طرح کے جو راوی ہوتے ہیں ان کی بیان کردہ روایتوں کو اصطلاح محدثین میں موضوع کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ حدیث جو گھڑی ہوئی ہو۔

اسباب وضع

حدیث گھڑنے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

اللہ سے قربت چاہنا:- کچھ بزرگانِ دین اچھے کام کی فضیلت اور بُرے کام کی فضیحت وغیرہ میں حدیثیں وضع کرتے تھے اور اس طرح سے لوگوں کو اچھے کاموں کی رغبت دلاتے اور بُرے کاموں سے ڈراتے تھے اور اس کو کارِ خیر تصور کرتے تھے چونکہ یہ انتہائی بزرگ و متقی ہوتے تھے، سماج میں اُن کو بڑی عزت اور اعتماد کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اس لئے یہ روایتیں سماج میں عام ہوگئیں۔ جیسے نوح ابن ابی مریم نے کیا۔

عصبیت پسندی:- بہت سارے متعصبین دینی، قومی، لسانی اور علاقائی عصبیت کی بنیاد پر حدیثیں گھڑتے تھے۔ خاص طور سے شیعان علی کا اس میں بڑا حصہ رہا ہے۔ جیسے مامون ہروی، میسرہ بن عبدربہ۔

دین کو بدنام کرنا:- قوم زنادقہ نے دین اسلام کو مطعون و رسوا کرنے کیلئے بہت سی حدیثیں گھڑی ہیں خاص طور سے وہ حدیثیں جو خلاف عقل اور سطحی ہوں۔ جیسے محمد بن سعید مصلوب اور عبدالکریم بن ابوعوجاء نے کیا۔

مطلب پرستی:- بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے مطلب برآری کے لئے حدیثیں گھڑی ہیں مثلاً بادشاہوں سے قربت، روزی روٹی میں اضافہ، شہرت طلبی وغیرہ کے لئے۔ جیسے غیاث بن ابراہیم نے مہدی کو خوش کرنے کے لئے کیا۔

معرفت وضع

موضوع حدیث کی معرفت کے مختلف طریقے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

اقرار واضع: - معرفت وضع کا اہم طریقہ خود واضع کا اقرار ہے جیسا کہ بہت سارے وضاعین نے کیا ہے۔ جیسے نوح ابن ابی مریم اور میسرہ بن عبدربہ نے فضائل سورِ قرآن کی حدیثوں کے گھڑنے کا اعتراف کیا۔

منزلہ اقرار: - راوی ایسے لوگوں سے روایتیں نقل کرے جن سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے اور اس کے علاوہ کسی نے وہ روایت نقل بھی نہیں کی ہے۔ سوال کرنے پر جو جواب دے وہ دروغ گوئی پر دلالت کرے تو یہ گھڑنے کی بابت اقرار کے قائم مقام ہے۔ جیسے مامون بن احمد ہروی نے جب ہشام بن عمار سے روایت کیا تو اُس سے پوچھا گیا کہ تم ہشام سے ملنے شام کب گئے تو اُس نے کہا کہ ۲۵۰ھ میں۔ جب کہ ہشام کا انتقال ۲۴۵ھ ہی میں ہو گیا تھا۔

قرائن: - موضوع حدیثوں کو پہچاننے کیلئے بہت سارے قرینے ہیں۔ جن میں سے کچھ کا تعلق راوی سے ہے اور کچھ کا تعلق مروی سے ہے۔ ان سے موضوع حدیثیں پہچانی جاتی ہیں۔ مثلاً:

حس و مشاہدہ اور عقل کے خلاف ہونا۔ جس کی تاویل ممکن نہ ہو۔ جیسے حضرت نوح کی کشتی نے خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا اور دو رکعت نماز مقامِ ابراہیم پر ادا کیا۔ جب کہ اُس وقت مقام ابراہیم کا وجود بھی نہ تھا۔

یا کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجماع قطعی میں سے کسی کے مخالف ہونا۔ جیسے ولد زنا سات پشت تک جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ ﴿لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ﴾ کے مخالف ہے۔

یا معمولی کام پر اجر عظیم اور معمولی جرم پر وعید شدید کا ہونا۔ جیسے چاشت کی نماز پڑھنے سے ستر نبیوں کا ثواب ملتا ہے۔

یا کسی ایسے واقعہ کا ہونا جس کو بکثرت منقول ہونا چاہئے پھر بھی اس کو فرد واحد ہی نے بیان کیا ہو۔ جیسے واقعہ غدیرِ خم جس کو شیعوں نے گھڑ لیا ہے اور یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو اپنا وصی اور خلیفہ بنایا اور حجۃ الوداع سے آتے وقت مقام "غدیرِ خم" پر اُس کا اعلان کر دیا لیکن سارے صحابہ نے اُس کو چھپا لیا۔

موضوع اور ضعیف کا حکم:۔ ایسے راویوں کی روایت جو کذاب ہوں کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر توبہ بھی کریں تو بھی بطور احتیاط مردود ہی ہوتی ہے۔

موضوع رواتیوں کا بیان کرنا، اس کا سننا سنانا، ناجائز اور حرام ہے۔ الا یہ کہ بتانے کے لئے ایسا کیا جائے جس کی وضاحت اسی مجلس میں ہو جانی چاہئے۔ موضوع روایت سب سے زیادہ بدترین ہوتی ہے۔

لیکن اگر روایت موضوع یا موضوع سے قریب تر یا بہت زیادہ ضعیف نہ ہو تو بعض علماء نے وعظ و نصیحت، ترغیب و ترہیب میں اس کی روایت اور بیان کو جائز قرار دیا ہے جبکہ اس ضعیف روایت کا تعلق عقیدہ یا شرعی احکام یعنی حلال و حرام سے نہ ہو۔

حالانکہ اس فرق کی کوئی معقول وجہ نہیں جس طرح صحیح اور حسن روایتیں بحیثیت قبول برابر ہوتی ہیں اسی طرح سے موضوع اور ضعیف روایتیں بحیثیت رد برابر ہوتی ہیں۔ اسی لئے سب کا شمار مردود میں ہوتا ہے۔ اب اگر یہ وضاحت نہ کی جائے کہ بیان کردہ روایت ضعیف ہے تو سننے والا اس کو مقبول اور سنت سمجھ کر عمل کرے گا جبکہ یہ حقیقت میں مردود ہے، خاص طور سے جب کہ اس کے بیان کرنے والے سامع کی نگاہ میں معتمد ہوں، پھر ایسی صورت میں رسول کی جانب اس چیز کی نسبت ہو جائے گی جو رسول کی بات نہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔

یہی معاملہ ضعیف حدیث پر عمل کا ہے، ضعیف حدیث جس طرح کی بھی ہو بہر حال وہ ضعیف ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے کچھ شروط کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی

اجازت دی ہے لیکن نتیجتاً اس کا بھی معاملہ وہی ہے، حافظ ابن حجر اور کچھ علماء نے ضعیف حدیث پر فضائل اعمال میں عمل کی اجازت دی ہے جبکہ:

۱۔ ضعف شدید نہ ہو۔

۲۔ کسی عام اصل میں شامل ہو۔

۳۔ حدیث رسول سمجھ کر نہیں بلکہ بطور احتیاط اس پر عمل ہو۔

لیکن یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک طرف اس پر مردود کا حکم بھی لگایا جا رہا ہے اور دوسری طرف اس پر احتیاطاً عمل بھی کیا جا رہا ہے اس سے بہتر تو یہ ہوتا کہ (احتیاط کا اگر یہی تقاضا ہے تو) اس کو بھی احتیاطاً مقبول میں شامل کر لیا جائے جو ایک بہت بڑی بے ضابطگی ہو گی۔

لہٰذا ضعیف حدیث بحیثیت مردود قابل عمل نہیں جس طرح سے مقبول روایت بحیثیت مقبول قابل ترک نہیں۔ حدیث کا کسی عام اصل میں شامل ہونا اس پر غماز ہے کہ فی نفسہ اس کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، بلکہ عام اصل کا سہارا چاہئے جبکہ عام اصل فی نفسہ قابل عمل ہوتا ہے چاہے اس کے مطابق ضعیف حدیث موجود ہو یا نہ ہو۔ ایسی صورت میں عمل عام اصل پر ہو نہ کہ حدیث ضعیف پر۔

۲۔ **متہم بالکذب**:۔ (وہ راوی جس پر جھوٹ کا الزام لگا ہو) متہم بالکذب ایسے راوی کو کہتے ہیں جو اگرچہ حدیث رسول میں جھوٹ نہ بولتا ہو لیکن عام گفتگو میں جھوٹ بولنے کی عادت ہو، یا ایسی روایت نقل کرنے میں منفرد ہو جو دین کے بنیادی اصول کے منافی ہو اور اس راوی کے علاوہ اس سند میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہ ہو جس پر کچھ شبہ کیا جا سکے، اس طرح کے راویوں کی روایت کو متروک کہا جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کی روایتیں بھی بے حد ضعیف (بلکہ موضوع کے قریب) اور مردود ہوتی ہیں۔ ہاں اس طرح کے راوی اگر توبہ کر لیں تو ان کی روایتیں جو توبہ کرنے کے بعد بیان کی گئی ہیں وہ مقبول ہوں گی۔

۳- فحش الغلط:- (بکثرت غلطی کرنے والا) بہت سے راوی ایسے ہوتے ہیں جن کے ضبط میں خلل ہوتا ہے وہ روایت کو صحیح ڈھنگ سے نہیں بیان کر پاتے بکثرت غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں: نہ اس پائے کے ہوتے ہیں کہ دوسروں کو تقویت دے سکیں اور نہ اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ دوسروں سے مدد لے کر طاقتور ہو جائیں، لہٰذا اس خامی کی وجہ سے ان کی روایتیں ضعیف اور مردود ہو جاتی ہیں۔

۴- کثرة الغفلة:- (بہت زیادہ مغفل ہونا) یعنی راوی اتنا مغفل ہو کہ اپنی روایت کردہ حدیثوں میں صحیح اور غلط کی تمیز نہ کر سکے نیز اپنے اور دوسروں کی روایتوں میں فرق نہ کر پائے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کسی اور کی روایت اس کے سامنے بیان کر کے یہ کہتا ہے کہ یہ آپ ہی کی روایت ہے تو اس کو تسلیم کر لیتا ہے یا اس کی کتاب میں کوئی کچھ تحریر کر دے تو سمجھ نہیں پاتا اور بیان کرنے لگتا ہے اور جس پر ٹوکا جائے صحیح ہو یا غلط سب کو مان لیتا ہے۔ اصطلاح میں اس کو "تلقین قبول کرنا" کہا جاتا ہے۔ اس غفلت کی بنیاد پر اس طرح کے راویوں کی روایت ضعیف اور مردود ہوتی ہے۔

۵- الفسق:- (حد سے آگے نکل جانا) ایسا شخص جو دروغ گوئی کے علاوہ دیگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو، یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرے، (یعنی بار بار کرتا ہے) یا ایسی غلطی کرے جو باعث سزا ہو لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچے تو اس کو اصطلاح میں فاسق کہا جاتا ہے، اس طرح کے راوی کی بھی روایت ضعیف اور مردود ہوتی ہے، البتہ اگر ایسا راوی اپنے فسق سے توبہ کر لے تو اس کی حدیث جو توبہ کرنے کے بعد روایت کیا ہے قابل قبول ہوتی ہے۔

مذکورہ تینوں قسموں کی روایت کو بعض محدثین کے یہاں **منکر** کہا جاتا ہے۔

۶- الوهم:- وہم کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنی روایت کو اچھی طرح یاد نہ کرے، جس کی وجہ سے (کبھی ایسا کبھی ویسا) بیان کرے، کبھی مرفوع کو موقوف، موقوف کو مرفوع، تو کبھی مرسل کو متصل، متصل کو مرسل کر دیتا ہے، یا ایک حدیث کو دوسری حدیث

میں ملا دیتا ہے۔ ایسے راوی کی روایت کو **معلل** کہا جاتا ہے۔

وہم اگر بکثرت ہونے لگے تو اس کی ساری روایت ضعیف اور مردود ہوتی ہے لیکن اگر کبھی کبھار، شاذ و نادر ہو تو موہوم روایت کے علاوہ دیگر روایتیں مقبول ہوتی ہیں۔

۷- مخالفة الثقة:- (ثقہ کی مخالفت) یعنی کوئی راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی یا مختلف ثقات کے خلاف روایت بیان کرے، مثلاً دونوں راوی ایک ہی روایت یا قصہ ایک ہی استاذ سے روایت کرتے ہیں لیکن ثقہ کچھ کہتا ہے اور اُوثق کچھ کہتا ہے یا ایک ثقہ کچھ کہتا دوسرے بہت سارے ثقات کچھ کہتے ہیں۔ اس مخالفت کی بنیاد پر اس راوی کی جہت کمزور پڑ جاتی ہے اور اس کی روایت مشتبہ ہو جاتی ہے۔

مخالفت کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

محفوظ :- اس حدیث کو کہتے ہیں جسکو بہت سارے ثقات یا اُوثق راوی ثقہ راوی کے خلاف روایت کرے۔

شاذ:- اس حدیث کو کہتے ہیں جسکو ثقہ راوی اُوثق یا ثقات کے خلاف روایت کرے۔

معروف:- اس حدیث کو کہتے ہیں جسکو ثقہ راوی ضعیف کے خلاف روایت کرے۔

منکر:- اس حدیث کو کہتے ہیں جسکو ضعیف راوی ثقہ کے خلاف روایت کرے۔

محفوظ اور معروف مقبول، شاذ اور منکر مردود ہوتے ہیں۔

مدرج:- اس حدیث کو کہتے ہیں جسکی سند یا متن میں ایسی تبدیلی کر کے مخالفت کی جائے جو اس میں نہ ہو۔

مدرج کی دو قسمیں ہیں: **مدرج الاسناد** اور **مدرج المتن**

مدرج الاسناد:- اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں ایسی تبدیلی کر کے مخالفت کیجائے جو اس میں نہ ہو۔

مدرج المتن:- اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے متن میں ایسی تبدیلی کر کے

مخالفت کی جائے۔بغیر فصل کے۔جو اس میں نہ ہو۔

مقلوب:۔اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند یا متن میں تقدیم وتاخیر کر کے مخالفت کی جائے۔

المزید فی متصل الأسانید :۔اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں ایک راوی کا اضافہ کر کے مخالفت کی جائے۔

مضطرب:۔اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند یا متن میں ایک کلمہ کو دوسرے سے یا ایک راوی کو دوسرے سے بدل کر مخالفت کی جائے جس میں سے کوئی راجح نہ ہو۔

کسی شکل سے اگر ترجیح کی صورت بن جائے تو اضطراب ختم ہو جاتا ہے۔

مصحف :۔ان حدیث کو کہتے ہیں جس میں کلمہ کی شکل باقی رکھتے ہوئے صرف نقطہ میں تبدیلی کر کے مخالفت کی جائے جیسے شیئاً کے بدلے ستاً.

محرف:۔اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کلمہ کی شکل باقی رکھتے ہوئے صرف حرکت میں تبدیلی کر کے مخالفت کی جائے جیسے عَقِیل کے بدلے عُقَیل.

مخالفت ثقات کا حکم:۔مخالفت ثقات کا حکم نوعیت مخالفت کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔

مثلاً ادراج کی صورت میں صرف مشکل کلمہ کی وضاحت مقبول ہے بقیہ سب مردود ہیں۔

قلب کی صورت میں صرف وہی مقبول ہے جو بطور امتحان کیا گیا ہو بشرطیکہ اسی مجلس میں اس کی وضاحت کر دی جائے۔

مزید فی متصل الأسانید کی صورت میں اگر زیادتی مخالف سے زیادہ قوی راوی کی طرف سے ہو رہی ہے اور سماع کی تصریح موجود ہے تو وہ قابل قبول ہے ورنہ نہیں۔

اضطراب کی صورت میں اگر کوئی ایک جہت کسی وجہ سے راجح ہو تو وہ مقبول ہے. بقیہ سب مردود۔

بنیادی طور سے یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی راوی بکثرت مخالفت کرتا ہے تو وہ ضعیف اور اگر شاذ و نادر کرتا ہے تو ثقہ ہے۔

زیادتی ثقہ کا حکم:۔ ثقہ کی زیادتی کا حکم بھی نوعیت اضافہ کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔

اگر زیادتی ایسی ہے جس سے ثقات یا اوثق کی مخالفت نہیں ہو رہی ہے تو وہ مقبول ہوگی۔

اور اگر زیادتی ایسی ہے جس سے ثقات یا اوثق کی مخالفت ہو رہی ہے تو وہ مردود ہوگی، جس کو شاذ کہا جاتا ہے۔

اور اگر زیادتی ایسی ہے جس سے معمولی مخالفت ہو رہی ہے لیکن یہ مخالفت مطلق کو مقید کرنے یا عام کو خاص کرنے سے متعلق ہے تو مقبول ہے ورنہ نہیں۔

۸- الجھالة: -(راوی کا مجہول ہونا) مجہول اس راوی کو کہتے ہیں جس کی ذات یا صفت معلوم نہ ہو۔

راوی میں جہالت اس کے نام میں ابہام یا اس سے روایت کرنے والوں کی قلت اور کسی امام کی توثیق نہ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

مبہم:- مبہم کا مطلب یہ ہے کہ راوی کا نام لئے بغیر اس سے روایت کی جائے مثلاً "حدثنا رجل" یا ایسا نام و کنیت وغیرہ ذکر کیا جائے جس سے وہ غیر معروف ہے۔

چونکہ یہاں راوی کی ذات مجہول ہے جس سے اس کی عدالت و ضبط کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ بنا بریں شبہ اور احتیاط کی بنیاد پر اس کی روایت ضعیف اور مردود ہوتی ہے۔ حالانکہ ممکن ہے کہ مذکورہ راوی ثقہ ہو جیسے کہ یہ ممکن ہے کہ ضعیف ہو۔ مجہول کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ مجہول عین اور مجہول حال۔

مجہول عین:- اس راوی کو کہتے ہیں جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو اور کسی نے اسکی توثیق نہ کی ہو۔

مجہول حال: - اس راوی کو کہتے ہیں جس سے دو یا اس سے زائد افراد نے روایت کیا ہو لیکن کسی نے اسکی توثیق نہ کی ہو۔

مجہول کا حکم: - مجہول عین کی روایت جمہور کے یہاں ضعیف ہوتی ہے۔ لیکن اگر کسی نے اس کی توثیق کر دی ہے تو مقبول ہو جاتی ہے۔ مجہول حال کو مستور بھی کہا جاتا ہے اس کی روایت میں توقف اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

جہالت عین دو ثقہ افراد کے روایت کرنے سے ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ جہالت حال کسی محدث کی توثیق ہی سے ختم ہو سکتی ہے۔

۹- البدعة: - (بدعت) اس اعتقاد کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے برعکس (مخالفت کے طور پر نہیں بلکہ) بطور شبہ کر لیا جائے۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت مکفرہ (کافر کر دینے والی بدعت) اور بدعت مفسقہ (فاسق کر دینے والی بدعت)

بدعت مکفرہ: - اگر کوئی شخص دین کے متفق علیہ فطری امور جو تواتر سے ثابت ہیں اس کا انکار کر دے، یا اس کے برعکس اعتقاد رکھے تو اس کو بدعت مکفرہ کہا جاتا ہے جیسے رافضیت میں انتہا پسندی۔

بدعت کا حکم: - بدعت مکفرہ کے مرتکب راوی کی روایت مردود اور بدعت مفسقہ کی مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ:

۱- وہ عادل اور ضابط ہو۔

۲- اپنی بدعت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو۔

۳- ایسی بات نہ روایت کرتا ہو جو اس کی بدعت کو تقویت پہنچاتی ہو۔

۱۰- سوء الحفظ: - (کمزور یادداشت) راوی کی یادداشت کبھی اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ وہ جب بھی روایت بیان کرتا ہے تو اس سے زیادہ ہی غلطی ہوتی ہے اور حالت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کی غلطیاں اس کی درستگی پر غالب آجاتی ہیں۔ سوء حفظ کی دو قسمیں ہیں سوء حفظ لازم (یعنی دائمی) اور سوء حفظ عارضی جس کو طاری بھی کہا جاتا ہے۔

سوء حفظ لازم:- کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی کا حافظہ ہمیشہ ہی کمزور رہا ہو۔

سوء حفظ طاری:- کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی کا حافظہ وقتی طور پر کمزور ہو گیا ہو، بڑھاپے کی وجہ سے یا کسی حادثہ کا شکار ہونے کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے۔

سوء حفظ کا حکم:- سوء حفظ لازم کی روایت کو کچھ لوگوں نے شاذ کہا ہے اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے، سوء حفظ طاری (عارضی) کی روایت کو **مختلط** کہا جاتا ہے۔اس کی روایت اختلاط سے پہلے مقبول ہوتی ہے اور اختلاط کے بعد مردود ہوتی ہے لیکن اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون سی روایت اختلاط سے پہلے کی ہے اور کون سی اختلاط کے بعد کی ہے تو توقف اختیار کیا جائے گا۔

ملاحظہ:- سوء حفظ، مستور، مختلط، مرسل، مدلس کی روایت اگر اپنے ہم مثل یا اس سے قوی راوی سے قوت پا جائے تو ضعیف کی حد سے نکل کر مجموعی اعتبار سے حسن لغیرہ ہو جاتی ہے، اس صورت میں وہ روایت مقبول ہوتی ہے۔ یعنی اس طرح کی روایت کے لئے تابع اور شاہد کی ضرورت پڑتی ہے۔

اعتبار:- کسی فرد حدیث کے لئے تابع اور شاہد کا پتہ لگانے کے لئے طرق حدیث میں تلاش اور جستجو کرنے کو اعتبار کہا جاتا ہے۔

شاہد:- وہ حدیث جو کسی فرد روایت کی لفظاً و معنیً یا صرف معنیً موافق ہو لیکن صحابی الگ الگ ہوں تو اس کو شاہد کہتے ہیں۔

تابع:- وہ حدیث جو کسی فرد (غریب) روایت کی لفظاً و معنیً یا صرف معنیً موافق ہو بشرطیکہ صحابی ایک ہو تو اس کو تابع کہا جاتا ہے۔

گویا کہ تابع صحابی کا اتحاد، اور شاہد صحابی کا اختلاف ہوتا ہے۔

مثلہ:- کوئی روایت دوسری روایت کے لفظاً موافق ہو۔

نحوہ:- کوئی روایت دوسری روایت کے معنیً موافق ہو۔

متابعہ:- کسی راوی کو روایت کرنے میں دوسرے راوی کی شرکت حاصل ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ متابعہ تامہ اور متابعہ قاصرہ۔

متابعة تامة:- اگر شرکت بذات خود راوی میں ہو تو اس کو متابعہ تامہ کہتے ہیں۔

متابعة قاصرة:- اگر شرکت راوی کے شیخ میں ہو تو اس کو متابعہ قاصرہ کہتے ہیں۔

یہاں پر مقبول اور مردود حدیث کی بحث مکمل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث کی پہلی تقسیم جو از روئے عدد مخبر ہے یعنی متواتر اور آحاد اس کی بھی بحث مکمل ہو جاتی ہے۔

تقسیم حدیث از روئے نسبت

حدیث کی دوسری تقسیم از روئے نسبت ہوتی ہے یعنی حدیث بیان کرنے والے نے اس کو کس کی جانب منسوب کیا ہے اس اعتبار سے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ حدیث قدسی، مرفوع، موقوف اور مقطوع۔

حدیث قدسی:- اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کیا ہو۔

حدیث قدسی میں جو الفاظ پائے جاتے ہیں وہ اللہ کے ہوتے ہیں یا رسول کے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ اس کے الفاظ رسول کے ہوتے ہیں، جس طرح بقیہ حدیثوں کے الفاظ رسول کے ہوتے ہیں۔

اُحادیث قدسیہ کی تعداد دیگر حدیثوں کے مقابلہ میں کم ہے ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار سو کے قریب ہے۔

حدیث قدسی اور قرآن میں فرق:-

۱- قرآن کا لفظ و معنی منزل من اللہ ہے حدیث قدسی کا صرف معنی منزل من اللہ ہے۔

۲- قرآن کے الفاظ معجزہ اور چیلنج ہوتے ہیں۔ حدیث قدسی کے نہیں۔

۳- قرآن کے ثبوت کے لئے تواتر شرط ہے اس کے لئے نہیں۔

٤- قرآن کے کسی بھی آیت سے عبادت کی جاسکتی لیکن ہر حدیث قدسی سے نہیں۔ صرف ان ہی حدیثوں سے کی جاسکتی ہے جس کا تعلق اذکار سے ہے۔

۵- قرآن کریم کا بالمعنی روایت کرنا درست نہیں جبکہ حدیث قدسی کا روایت بالمعنی درست ہے۔

حدیث قدسی اور دیگر حدیثوں میں فرق:-

حدیث قدسی میں نسبت اللہ کی جانب کی جاتی ہے۔

دیگر حدیثوں میں نسبت رسول کی جانب کی جاتی ہے۔

بقیہ اعتبار سے دونوں برابر ہیں، لہٰذا قرآن اور عام احادیث میں وہی فرق ہے جو قرآن اور حدیث قدسی میں ہے۔

مرفوع: --اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی نسبت رسول ﷺ کی جانب کی گئی ہو۔

(خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو یا صفات ہوں۔)

حدیث مرفوع کی تین قسمیں ہیں:

۱-مرفوع قولی ۲-مرفوع فعلی ۳-مرفوع تقریری

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہوتی ہیں صریحی اور حکمی، گویا کہ مرفوع کی کل چھ قسمیں ہوتی ہیں:

مرفوع قولی صریحی: مثلاً کوئی صحابی صراحت کے ساتھ یہ کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کہتے سنا۔

مرفوع فعلی صریحی: صحابی صراحت کے ساتھ یہ کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کام کرتے ہوئے دیکھا۔

مرفوع تقریری صریحی: صحابی صراحت کے ساتھ یہ کہے کہ آپ کے سامنے یہ کام ہوا لیکن آپ خاموش رہے۔

مرفوع قولی حکمی: صحابی کوئی ایسی بات کہے کہ جس میں رائے واجتہاد کی گنجائش نہ ہو۔ جیسے فتنوں کی خبر دینا یا مخصوص کام پر سزا یا جزاء کی خبر دینا۔

مرفوع فعلی حکمی: صحابی کوئی کام کرے جس میں رائے وعقل کی گنجائش نہ ہو ۔جیسے حضرت علی کا نمازِ کسوف میں ایک رکعت میں دو سے زیادہ رکوع کرنا۔

مرفوع تقریری حکمی: صحابی یہ کہے کہ لوگ رسول ﷺ کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے اور کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔

کنائی ومحتمل صیغے: رسول کی جانب صراحت سے نسبت کرنے کے علاوہ مرفوع کے اور بھی صیغے ہیں اُس میں سے کچھ کنائی ہیں اور کچھ محتمل صیغے ہیں۔

جن صیغوں سے مرفوع کی جانب اشارہ ہو جیسے: ''یرویه ، یرفع ، ینمینه ، یبلغُ'' وغیرہ تو اُس کو کنائی کہتے ہیں۔

اور جن صیغوں سے مرفوع ہونے کا احتمال ہوا سے محتمل کہتے ہیں جیسے: ''من السنة کذا، یا أمرنا عن کذا، یا نهینا عن کذا ،کنا نفعل کذا''

اسی طرح اگر کسی کام پر اللہ کی اطاعت، یا اس کی معصیت کا حکم لگا ہو جیسے: ''من فعل کذا فقد عصی الله، من طاعة الله کذا'' تو یہ سب حکما مرفوع ہوگا۔

موقوف: -اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی نسبت کسی صحابی کی جانب کی گئی ہو۔ (خواہ وہ قولی ہو یا فعلی ہو، یا تقریزی ہو۔)

جس باب میں موقوف روایت مروی ہے اگر اس میں کوئی مرفوع حدیث معلوم نہ ہو یا موجود نہ ہو تو اس وقت یہ موقوف قابل عمل ہوتی ہے۔

مقطوع: -اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی نسبت کسی تابعی یا تبع تابعی یا انکے بعد کسی کی جانب کی گئی ہو۔ (خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو۔)

مقطوع اور منقطع میں فرق: -بعض لوگوں نے مقطوع اور منقطع میں فرق نہیں کیا ہے حالانکہ ان میں فرق واضح ہے۔ مقطوع متن کی صفت ہوتی ہے اور منقطع سند کی صفت ہوتی ہے۔

اس تقسیم کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ حدیث کی ساری قسمیں مکمل ہو جاتی ہیں۔ اس کے ضمن میں صحابی تابعی وغیرہ کے بارے میں جو معلومات ہیں اس کا ذکر راویوں کی معرفت میں آرہا ہے۔

☆☆☆

باب دوم

راویوں کی معرفت

راویوں کی معرفت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو ان کے مکمل نام ونسب کے ساتھ ساتھ ان کا حکم یعنی ثقاہت اور عدم ثقاہت کی معلومات، دوسرے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور دیگر لوگوں میں فرق کیساتھ ساتھ ان کی عام زندگی مثلاً وطن، نام ونسب، نسبت، کنیت، القاب، رہن سہن، اساتذہ وتلامذہ، ان کے طبقات، تاریخ وفات وغیرہ کے بارے میں معلومات، یہ معلومات اصول حدیث کا ایک اہم جز ہے جیسا کہ اصول حدیث کی تعریف میں اشارہ کیا گیا ہے۔ خاص معلومات کے لئے اصول حدیث کا جاننا پہچاننا علم "جرح وتعدیل" ہے اور عام معلومات کے لئے "**علم أسماء الرجال**" یا "**علم الاسناد**" ہے۔

اسناد: -سند کی جمع ہے سند حدیث بیان کرنے والے راویان کے سلسلے کو کہا جاتا ہے، اُس کی دو قسمیں ہیں:

سند عالی: - راویان حدیث کا سلسلہ کسی روایت میں دوسری روایت کے مقابلہ میں کم ہو تو اس کو سند عالی کہا جاتا ہے۔

سند نازل: - راویان حدیث کا سلسلہ کسی روایت میں دوسری روایت کے مقابلہ میں زیادہ ہو تو اس کو سند نازل کہا جاتا ہے۔

عالی اور نازل کی دو قسمیں ہیں:

علو مطلق و نزول مطلق: - راویان حدیث کا سلسلہ دوسری روایت کے مقابلہ میں جب کم تعداد سے رسول تک پہنچے تو اس کو علو مطلق، اور زیادہ تعداد سے پہنچے تو اس کو نزول مطلق کہتے ہیں۔

علو نسبی و نزول نسبی: -راویان حدیث کا سلسلہ دوسری روایت کے مقابلہ میں جب زیادہ تعداد سے کسی امام تک پہنچے تو اس کو نزول مطلق اور کم تعداد سے

پہنچے تو اس کو نزول نسبی کہا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ علو ونزول کی کچھ اور صورتیں ہیں جن کے اصطلاحی نام یہ ہیں:

موافقه :- کوئی راوی کسی مصنف کے شیخ تک اپنی عالی سند سے پہنچ جائے۔

بدل :- کوئی راوی کسی مصنف کے شیخ الشیخ تک اپنی عالی سند سے پہنچ جائے۔

مساواۃ :- کسی راوی کی اپنی سند کسی مولف کے سند کے برابر ہو۔

مصافحه :- کسی راوی کی سند کسی مولف کے شاگرد کے سند کے برابر ہو۔

جود اسناده :- کسی سند میں مختلف راوی ہوں اُس میں سے اچھے راویوں کا نام ذکر کرنا اور ناپسندیدہ کو چھوڑ دینا۔

علم اسماء رجال

اسماء رجال:- ایسے علم کا نام ہے جس سے رجال حدیث (صحابہ تابعین وغیرہ) کی عام معرفت حاصل ہو۔

صحابی:- ہر اس شخص کو کہتے ہیں جس نے اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے حالت ایمان میں ملاقات کی ہو اور اسی پر انکا انتقال ہوا ہو۔

تعداد صحابه:- صحابہ کی بہت بڑی تعداد تھی جنکا شمار صحیح طور سے نہ ہو سکا، ایک اندازہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی، صحابہ کی بہت بڑی جماعت ایسی ہے جنکے بارے میں معلومات نہیں ہے۔ صرف انہیں کے بارے میں معلومات ہے جن سے حدیث رسول مروی ہے، ایسے حضرات کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ ہے۔

مکثرین صحابه:- وہ صحابہ جن سے ایک ہزار سے اوپر روایتیں مروی ہیں ان کو "مکثرین صحابہؓ" کہا جاتا ہے۔ ان کی کل تعداد سات ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

ابو ہریرہؓ	روایتوں کی تقریبی تعداد	۵۳۷۴ ہے
عبداللہ بن عمرؓ	روایتوں کی تقریبی تعداد	۲۶۳۰ ہے

انس بن مالکؓ	روایتوں کی تقریبی تعداد	۲۲۸۶ ہے
عائشہ بنت صدیقؓ	روایتوں کی تقریبی تعداد	۲۲۱۰ ہے
عبداللہ بن عباسؓ	روایتوں کی تقریبی تعداد	۱۶۶۰ ہے
جابر بن عبداللہؓ	روایتوں کی تقریبی تعداد	۱۵۴۰ ہے
ابوسعید خدریؓ	روایتوں کی تقریبی تعداد	۱۱۷۰ ہے

یہ وہ صحابہ ہیں جو آپ کے ساتھ بکثرت رہا کرتے تھے پھر ان کو طویل زندگی ملی اس وجہ سے ان کی روایتیں منظر عام پر دوسروں کے مقابلے میں زیادہ آئیں۔

کسی شاعر نے ان کو اپنے کلام میں یوں ذکر کیا ہے

سبع من الصحب فوق الألف قد نقلوا

من الحديث عن المختار خير مضر

أبو هريرة، سعد، جابر، أنس

صديقة، وابن عباس، ونجل عمر

صحابہ کے روایتوں کی تعداد مسند بقی بن مخلد سے ماخوذ ہے، بہت ممکن ہے کہ اگر کسی صحابی کی روایتوں کو مختلف کتابوں سے جمع کیا جائے تو تعداد میں اضافہ ہو جائے۔

عبادلہ : عبداللہ بن عمرو بن عاص　　عبداللہ بن عباس

عبداللہ بن زبیر　　عبداللہ بن عمر

عبداللہ بن مسعود کا شمار ان میں نہیں اس لئے کہ یہ اصطلاح بننے سے پہلے اُن کا انتقال ہو چکا تھا۔

عبداللہ نام کے تقریباً تین سو صحابہ ہیں لیکن چونکہ یہ لوگ علم و فضل میں زیادہ مشہور تھے، ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اس لئے اُن کو عبادلہ کہا گیا ہے۔

عدالت صحابہ:- صحابہ کرامؓ جتنے بھی ہیں بغیر کسی تفصیل کے سب کے سب عادل

اور ثقہ ہیں۔ اس لئے کہ ان کی عدالت وصداقت کا ذکر اللہ اور رسول نے کیا ہے، ان سے رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کیا ہے۔ اور ان کو جنت میں داخلہ کی بشارت دی ہے۔

آخری صحابی:۔ سب سے آخر میں جس صحابی کا انتقال ہوا ہے وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثیؓ ہیں جن کا انتقال راجح قول کے مطابق ۱۱۰ھ میں ہے۔ یعنی رسول کے انتقال کے ایک سو سال تک کا دور، دور صحابہ ہے جو خیر القرون میں سب سے افضل دور ہے۔

مصادر صحابہ : صحابہ کرامؓ کی زندگی کے بارے میں معلومات کے لئے مندرجہ ذیل تین کتابیں بہت اہم ہیں:

۱۔ "الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب:

ابن عبدالبر قرطبی (متوفی ۴۶۳ھ)

۲۔ أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ:

عزالدین ابن اثیر جزری (متوفی ۶۳۰ھ)

۳۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ:

حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ)

یہ اس فن کی سب سے جامع کتاب کی ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بہت سی کتابیں ہیں۔

تابعی:۔ وہ شخص جس نے کسی صحابی سے حالت ایمان میں ملاقات کیا ہو اور اسی پر اس کا انتقال ہوا ہو۔

تابعین کو اللہ کے رسول نے خوش خبری اور بشارت دی ہے۔ ان میں سے اکثر وبیشتر "خیر الناس قرنی" میں اور بقیہ لوگ "ثم الذین یلونھم" میں شامل ہیں، مخضرمین کا شمار بھی تابعین میں (بلکہ کبار تابعین) میں ہوتا ہے۔

مخضرم:۔ ان لوگوں کو کہتے ہیں جنھوں نے رسول ﷺ کا دور پایا لیکن آپ سے

ملاقات نہ ہوسکی۔ جیسے قیس بن ابی حازم، ابوذویب ہزلی، سوید بن غفلہ۔

افضل تابعی: - تابعین میں علم وفضل کے اعتبار سے سعید بن میتب، تقوی اور زہد کے اعتبار سے اُویس قرنی، سب سے زیادہ افضل ہیں ان کے علاوہ مشہور تابعین میں:

حسن بصری — علقمہ — اَسود

ابوعثمان نہدی — مسروق — عطاء بن ابی رباح ہیں۔

فقہاء سبعة: - اکابر تابعین میں سے سات افراد ایسے ہیں جن کو فقہاء سبعہ کہا جاتا ہے۔ یہ سب کے سب مدینہ کے رہنے والے ہیں۔

١- سعید بن میتب — ٢- قاسم بن محمد بن ابی بکر

٣- عروۃ بن الزبیر — ٤- خارجہ بن زید بن ثابت

٥- عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

٦- سلیمان بن یسار مولی میمونہ

٧- ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف

کچھ لوگوں نے ان کے بجائے سالم بن عبداللہ کو شمار کیا ہے۔ نیز کچھ لوگوں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو شمار کیا ہے۔ محمد بن یوسف حلبی نے نظم میں ان کو یوں ذکر کیا ہے۔

ألا كل من لا يقتدى بائمة

فقسمته ضيزى عن الحق خارجة

فخذهم. عبيد الله، عروة، قاسم

سعيد، أبوبكر، سليمان، خارجة

اول و آخر: - سب سے پہلے جس تابعی کا انتقال ہوا ہے وہ ابوزید معمر بن زید ہیں جن کو خراسان، یا آذربیجان میں ٣٠ھ میں قتل کردیا گیا تھا۔ سب سے آخر میں خلف بن خلیفہ کا انتقال ١٨٠ھ میں ہوا ہے۔

تابعین کے سلسلہ میں معلومات کتب طبقات، نیز عام کتب رجال سے حاصل ہوتی ہے۔ "الثقات" ابن حبان ان کی معرفت کے لئے سب سے بہتر کتاب ہے۔

تبع تابعی:- اس شخص کو کہتے ہیں جس نے کسی تابعی سے حالت ایمان میں ملاقات کی ہو اور اسی پر اس کا انتقال ہوا ہو۔

تبع تابعین کو بھی اللہ کے رسول ﷺ نے بشارت اور خوشخبری سے نوازا ہے۔ نیز "ثم الذین یلونھم" یعنی صحابہ کے بعد جو دورے اکثر و بیشتر کا شمار اسی میں ہوتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ابتدائی تین صدیوں کے افراد کو حسب ترتیب "خیر" کہا ہے، ان تین صدیوں کے ختم ہوتے ہوتے رجال حدیث کا سلسلہ بھی تقریباً ختم ہو جاتا ہے، حدیث کی بڑی بڑی کتابیں اس تیسری صدی کے خاتمہ سے قبل تصنیف کی جا چکی تھیں۔ اس طرح حدیث رسول کے تحریر کا کام خیر القرون میں تقریباً مکمل ہو گیا۔

متفق و مفترق:- وہ راویان جن کے نام اور ان کے آباواجداد کے نام لکھنے اور بولنے میں ایک جیسے ہوں لیکن ان کی شخصیات الگ الگ ہوں، جیسے محمد بن محمد۔

اس نام کے بے شمار راوی ہیں، اسی طرح سے وہ راویان بھی اس میں شامل ہیں جن کا نام و کنیت یا نام و نسبت ایک جیسی ہو لیکن شخصیت الگ الگ ہو، مثلاً عمر بن الخطاب اس نام کے چھ افراد ہیں۔ جو شخص اس کی معرفت نہیں رکھے گا وہ صحابی کو غیر صحابی، ثقہ کو غیر ثقہ سے جدا نہیں کر سکتا۔

مؤتلف و مختلف:- وہ راوی جن کے نام و نسب یا القاب و کنیت لکھنے میں ایک جیسے ہوں لیکن بولنے میں مختلف ہوں جیسے سَلام، سلّام، عَقِیل، عُقَیل۔

یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی معرفت کا دارو مدار علماء سے سماع پر ہوتا ہے کسی ضابطہ میں داخل نہیں ہوتا اس لئے اس کی عدم معرفت سے تصحیف کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

متشابہ:- وہ راوی جن کے نام لکھنے اور بولنے میں متفق ہوں لیکن ان کے آباء کے نام بولنے میں مختلف ہوں جیسے محمد بن عَقِیل اور محمد بن عُقَیل۔

اسی طرح سے وہ راوی بھی اس میں شریک ہیں جن کا نام خطاً متفق ہو لیکن لفظاً مختلف ہو اور ان کے آباء کے نام لفظاً و خطاً دونوں متفق ہوں جیسے شریح بن النعمان اور سریج بن النعمان۔

مہمل:- دو یا دو سے زیادہ راوی اگر ایک ہی نام کے ہوں لیکن ان میں تمیز نہ کیا جا سکے تو ان کو مہمل کہا جاتا ہے۔

مہمل اور مبہم میں فرق یہ ہے کہ مہمل میں نام موجود ہوتا ہے تعیین نہیں ہو پاتی ہے، مبہم میں نام ہی مذکور نہیں ہوتا ہے۔

وحدان:- وہ راوی جن سے ایک ہی فرد نے روایت کیا ہو۔

منفردات:- وہ راوی جن سے صرف ایک ہی روایت مروی ہو۔

اسماء مفردہ:- وہ نام جس کے مشابہ کوئی دوسرا نہ ہو، جیسے اُحمد بن عجیأن، اسی طرح سے وہ القاب اور کنیت جس کا کوئی ثانی نہ ہو۔ اس کو کنی مفردہ اور القاب مفردہ کہا جاتا ہے جسے ابوالعبید ین، مندل۔

لقب:- ہر وہ صفت جس سے مدح یا ذم معلوم ہو۔

معلوم ہونا چاہئے کہ وہ لقب جس کو ملقب یہ ناپسند کرتا ہے اس کا استعمال درست نہیں۔

ملاحظہ : دو بہت اچھے راوی ایسے ہیں جن کو قبیح لقب مل گیا ہے۔

۱- **معاویہ** بن عبدالکریم ان کا لقب ''ضال'' ہے مکہ جاتے وقت گم ہوگئے تو ان کا لقب ضال پڑ گیا۔

۲- **عبداللہ** بن محمد الضعیف، یہ جسمانی اعتبار سے کمزور تھے اس لئے ان کا لقب ''ضعیف'' پڑ گیا۔

یہ معرفت اگر طالب علم نہیں رکھتا ہے تو پھر ان پر ضعیف کا حکم لگا دے گا جو بہت بڑی غلطی ہوگی۔

کنیت: - وہ نام جس کے ابتداء میں اب، ام یا ابن و بنت لگا ہو۔

بہت سے راوی اپنی کنیت سے ہی مشہور ہوتے ہیں نام یا تو معلوم نہیں ہوتا، یا ہوتا ہی نہیں۔ جیسے ابو ہریرۃ آپ اپنی کنیت سے معروف ہیں نام میں اختلاف ہے۔ أبو أناس کنیت سے مشہور ہیں نام معلوم نہیں۔ اسی طرح بہت سے راوی ایسے ہوتے ہیں جن کی کنیت نام کے قائم مقام ہوتی ہے وہی نام بھی ہوتا ہے وہی کنیت بھی ہوتی ہے جیسے ابو بلال اشعری۔ اس کے علاوہ اور بہت ساری شکلیں ہیں جن کا جاننا ضروری ہوتا ہے تا کہ کسی قسم کا التباس نہ ہو۔

نسبت: - اہل عرب عموماً اپنے آپ و حسب و نسب و قبیلہ کی طرف منسوب کرتے تھے بعد میں جب عجم میں حدیثیں پھیلیں تو وہ اپنے آپ کو وطن صنعت و حرفت وغیرہ کی جانب منسوب کرنے لگے اس کی بھی معرفت ضروری ہے۔

غیر آباء کی جانب نسبت: - بہت سے راوی ایسے ہیں جو غیر آباء کی جانب منسوب ہیں اُس کی معرفت نہ رکھنے والا شخص انہیں کو ان کا باپ سمجھ بیٹھے گا جیسے:

احمد بن حنبل یہ اپنے دادا کی جانب منسوب ہیں اصل نام احمد بن محمد بن حنبل ہے۔

محمد بن حنفیہ یہ اپنی ماں کی جانب منسوب ہیں جو حضرت علی کے بیٹے ہیں۔

اسماعیل بن علیہ یہ اپنی داوی کی جانب منسوب ہیں والد کا نام ابراہیم ہے۔

غیر ظاهر کی جانب نسبت: - کبھی یہ نسبت غیر ظاہر کی طرف ہوتی ہے مثلاً:

سلیمان بن طرخان تیمی: یہ بنی تیم کے فرد نہیں ہیں لیکن ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی طرف مشہور ہو گئے۔

یزید الفقیر: یہ محتاج و فقیر نہیں تھے بلکہ ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف ہونے کی وجہ سے "فقیر" کہا جانے لگا اس لئے کہ فقر عربی میں ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔

خالد الحذّاء: حِذاء کے معنی جوتا اور حذّاء کے معنی جوتا بنانے والا (موچی) خالد الحذاء کا یہ پیشہ نہیں تھا چونکہ یہ وہاں بیٹھا کرتے تھے اس لئے یہ لقب پڑ گیا۔ ان ساری

چیزوں کی معرفت علم نبوی سے شغف رکھنے والے کیلئے ضروری ہے۔

اسی طرح سے راویوں کی تاریخ وفات و پیدائش، طبقات، ان کے رحلات اور وہ مقامات جہاں کا سفر کیا نیز دیگر ذیلی معلومات کا رکھنا بھی مستحسن ہے۔

علم جرح وتعدیل

صحابہ کرامؓ کی عدالت وثقاہت مسلم ہے، البتہ تابعین، تبع تابعین اوران کے بعد کے جو راویان حدیث ہیں ان کی عدالت اور ضبط کا پتہ لگانے، ان پر ثقہ اور ضعیف کا حکم لگانے کے لئے اس علم کی ضرورت پڑتی ہے جس کے اصولوں کے پیش نظر ان پر حکم لگایا جاتا ہے اس علم کا ایک مختصر خاکہ مندرجہ ذیل ہے:

جرح:- راویوں کے ایسے عیوب کو بیان کرنا جو ان کی عدالت وضبط کو ختم کردے یا عیب دار بنادے۔

تعدیل:- راویوں کو ایسی صفت سے متصف کرنا جو ان کی عدالت وضبط کو ثابت کردے۔

علم جرح وتعدیل:- ایسا علم ہے جس سے راویوں کی جرح وتعدیل پر مخصوص کلمات کے ذریعہ بحث کی جائے اوران کلمات کے مراتب کو معلوم کیا جائے۔

غرض:- جرح وتعدیل ایک دینی ضرورت ہے جس کا مقصد شریعت کی حفاظت ہے کسی پر عیب لگانا یا غیبت کرنا نہیں ہے، اسلئے شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، نیز جس طرح سے حقوق اور معاملات میں گواہوں پر جرح اوران کا تزکیہ ہوتا ہے اسی طرح سے حدیث رسول کی معرفت کیلئے (جس میں ہر ایک کی خیر خواہی مقصود ہوتی ہے) راویوں پر جرح وتعدیل کیا جاتا ہے۔

جارح اور معدل کے شروط:- کسی پر جرح وتعدیل کرنا انتہائی نازک اور حساس معاملہ ہوتا ہے اس لئے ہر کس وناکس کو اس کی اجازت نہیں۔ اس کو وہی شخص کرسکتا ہے جو راویوں کے بارے میں صحیح اور مکمل معلومات رکھتا ہے جو کوئی امام وقت اور ناقد زمانہ ہی ہوسکتا ہے۔

یہ علماء نقد جن کو ائمہ جرح وتعدیل کہا جاتا ہے فی نفسہ انتہائی دیانت دار، غیر جانب دار، متقی اور پرہیزگار ہوا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی ان کے لئے کچھ حدود و شروط متعین کر دیئے گئے ہیں جو یہ ہیں:

۱- جارح اور معدل کو بذات خود عادل ثقہ اور چاق وچوبند ہونا چاہئے۔

۲- راویوں کے بارے میں مکمل معلومات رکھنے والا، تعصب، تساہل و تنگ نظری اور جانب داری سے پاک ہو۔

۳- اسباب جرح وتعدیل کا جاننے والا ہو۔

۴- عربی زبان اور عرفی کلمات کے مفہوم کو سمجھتا ہو۔

۵- حلال وحرام کی معرفت رکھتا ہو۔

جرح و تعدیل میں سبب بیان کرنا:- علماء کا اس بات پر اختلاف ہے کہ جرح وتعدیل کب مقبول ہوگا آیا ان کا مفسر ہونا (یعنی سبب بیان ہونا) ضروری ہے یا مبہم (یعنی سبب کے ذکر کے بغیر) بھی مقبول ہے۔ اس میں مختلف اقوال ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

لیکن جس کو اکثر علماء نے پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ تعدیل کے لئے سبب بیان کرنا ضروری نہیں بلکہ تعدیل مبہم مقبول ہے اس لئے کہ اسباب عدالت بے شمار ہیں جن کا بیان کرنا پریشانی کا باعث ہے اور مشکل ہے۔

البتہ جرح کے لئے سبب بیان کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اسباب جرح بیان کرنا آسان ہے، نیز اسباب جرح میں نقطہ نظر کا اختلاف ہو سکتا ہے۔

لیکن بہتر قول جس کو حافظ ابن حجرؒ نے بیان اور پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت (مثلاً تعارض ہو تو) جرح میں سبب کا ہونا ضروری ہے، تعدیل کے لئے نہیں۔ لیکن بلا ضرورت کچھ ضروری نہیں بشرطیکہ جرح وتعدیل کرنے والا اسباب کا علم رکھتا ہو۔

تعارض جرح و تعدیل:- اگرایک ہی راوی کے بارے میں جرح وتعدیل دونوں وارد ہے یا ائمہ کے مختلف اقوال ہیں ایسی صورت میں کیا کیا جائے اس میں علماء کا دو مختلف نقطہ نگاہ ہے۔ایک راویوں کے ساتھ حسن ظن کا ہے لہٰذا وہ تعدیل کو مقدم مانتے ہیں۔

دوسرا حدیث رسول کی حفاظت اوراس میں احتیاط کا ہے لہٰذا وہ جرح کو مقدم مانتے ہیں۔

لیکن پسندیدہ بات یہ ہے کہ تعارض کی شکل میں یہ دیکھا جائے کہ جرح مبہم ہے یا مفسر؟ اگر جرح مبہم ہے تو تعدیل راجح ہے اور اگر جرح مفسر ہے تو جرح راجح ہے جس کی یہ شکل ہے:

جرح مبہم تعدیل مبہم	ایسی صورت میں	تعدیل راجح ہوگی
جرح مفسر تعدیل مفسر	ایسی صورت میں	جرح راجح ہوگا
جرح مبہم تعدیل مفسر	ایسی صورت میں	تعدیل راجح ہوگی
جرح مفسر تعدیل مبہم	ایسی صورت میں	جرح راجح ہوگا

یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ تعارض دو اماموں کے اقوال میں ہو،لیکن اگر کسی ایک امام کا ایک ہی راوی میں دو مختلف قول ہو تو آخری قول کو اگر معلوم ہو تو مقدم سمجھا جائے گا ورنہ دونوں میں تطبیق دی جائے گی۔ وہ اس طرح سے کہ جرح کو کسی خاص جہت اور تعدیل کو کسی اور جہت پر محمول کیا جائے گا ورنہ توقف اختیار کرنا پڑے گا۔

کلمات جرح و تعدیل اور ان کے مراتب:- جرح وتعدیل کے کچھ مخصوص کلمات اور انکے مراتب ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے اُحادیث پر صحیح،حسن اور ضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے،ان میں سے ہرایک کے چھ چھ مراتب ہیں۔

مراتب تعدیل اور ان کے کلمات

تعدیل کا پہلا مرتبہ وہ ہے جس میں راوی کی ثقاہت بذریعہ اسم تفضیل یا بطور مبالغہ بیان کیا گیا ہے جیسے " أوثق الناس، لا يعرف له نظير " وغیرہ

دوسرا مرتبہ وہ ہے جس میں راوی کی ثقاہت تاکید لفظی یا معنوی سے بیان کی گئی ہو جیسے: " ثقة ثبت، ثقة ثقة " وغیرہ

تیسرا مرتبہ وہ ہے جس میں راوی کی ثقاہت بغیر تاکید کے بیان کی گئی ہو جیسے: "ثقة، ثبت" وغیرہ

چوتھا مرتبہ وہ ہے جس میں راوی کی عدالت واضح اور ضبط غیر واضح ہو۔ جیسے: "صدوق، لاباس به" وغیرہ

پانچواں مرتبہ وہ ہے جس میں راوی کی عدالت وضبط کا صراحت سے پتہ نہ چلتا ہو، جیسے: "شیخ وسط، جید الحدیث" وغیرہ

چھٹا مرتبہ وہ ہے جس میں راوی کی عدالت وضبط میں تردد اور شبہ کا پتہ چلے، جیسے: "صویلح، مقبول" وغیرہ

حکم:- اس میں سے پہلے تین مراتب کی روایتیں صحیح ہوتی ہیں البتہ درجات میں فرق ہوتا ہے۔

چوتھے مرتبہ والوں کی روایت حسن ہوتی ہے۔

پانچویں مرتبہ والوں کی روایت دوسروں کی موافقت سے حسن لغیرہ ہوتی ہے۔

چھٹے مرتبہ والوں کی روایت بھی شاہد کی بنیاد پر حسن لغیرہ ہو جاتی ہے دونوں کے درجہ میں معمولی سا فرق ہوتا ہے۔

مراتب جرح اور ان کے کلمات

جرح کا پہلا مرتبہ (جو سب سے کمتر ہوتا ہے) وہ ہے جو راوی کی ضعف کے جانب اشارہ کرتا ہو۔ جیسے: "لین الحدیث"

جرح کا دوسرا مرتبہ وہ ہے جو راوی کے ضعیف ہونے پر صراحت سے دلالت کرے جیسے: "ضعیف، لایحتج به" وغیرہ

تیسرا مرتبہ وہ ہے جو راوی کے کثرت ضعف پر دلالت کرے جیسے

"ضعیف جدا" وغیرہ

چوتھا مرتبہ وہ ہے جو راوی پر جھوٹ کا الزام ہونے پر دلالت کرے جیسے:

"متھم بالکذب" وغیرہ

پانچواں مرتبہ وہ ہے جو راوی کے جھوٹا ہونے پر دلالت کرے جیسے:

"کذاب" وغیرہ

چھٹا مرتبہ وہ ہے جو راوی کی دروغ گوئی پر صیغہ اسم تفضیل یا مبالغہ سے دلالت کرے جیسے: "اکذب الناس، رکن الکذب" وغیرہ

حکم :- پہلے دو مرتبہ والوں کی روایتیں قابل حجت تو نہیں البتہ دوسرے ہم مرتبہ سے مل کر قابل اعتبار ہوتی ہیں جو دوسرے کی تائید کر سکتی ہیں البتہ آخری چار مرتبہ والوں کی روایتیں حسب ترتیب ضعیف، بے حد ضعیف، متروک اور موضوع ہوتی ہیں۔

کتب جرح وتعدیل و اسماء رجال:- کتب جرح وتعدیل واسماء رجال کو بنیادی طور سے دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: کتب عامہ اور کتب خاصہ۔

کتب عامہ ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں بغیر کسی تخصیص کے ہر قسم کے راویوں کا ذکر ہو، مثلاً

التاریخ:- امام یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ)

التاریخ الکبیر:- امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ)

جرح و تعدیل:- ابن ابی حاتم رازی (متوفی ۳۲۷ھ)

کتب طبقات:- الطبقات الکبریٰ ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ)

کتب اسئلة:- سوالات السھمی للدارقطنی (متوفی ۴۷۷ھ)

کتب خاصہ ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں مخصوص صفت سے متصف راویوں کا ذکر ہو مثلاً وہ کتابیں جن میں صرف **ثقہ** راویوں کا ذکر ہو جیسے:

معرفة الثقات:- امام عجلی احمد بن عبداللہ (متوفی ۲۶۱ھ)

الثقات :- امام ابوحاتم ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ)

تاریخ أسماء الثقات :- ابوحفص عمر ابن شاہین (متوفی ۳۸۵ھ)

یا وہ کتابیں جن میں صرف **ضعیف** راویوں کا ذکر ہو، جیسے:

الضعفاء الکبیر :- ابوجعفر عقیلی (متوفی ۳۲۲ھ)

الکامل فی ضعفاء الرجال :- ابواحمد ابن عدی (متوفی ۳۶۵ھ)

میزان الاعتدال فی نقد الرجال :- امام ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)

یا وہ کتابیں جن میں صرف **کتب ستہ** کے راویوں کا ذکر ہو جیسے:

تہذیب الکمال فی أسماء الرجال :- امام مزی (متوفی ۷۴۲ھ)

الکاشف لمن له روایة فی الکتب الستة :- امام ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)

تہذیب التہذیب :- حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ)

تقریب التہذیب :- حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) وغیرہ۔

☆☆☆
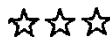
باب سوم

آداب روایت و تحریر حدیث

اصول حدیث کا ایک اہم گوشہ یہ بھی ۔۔۔۔ ۔حدیث رسول ﷺ کے پڑھنے کے آداب، پڑھانے کا طریقہ، تحریر و تصنیف کا اصول و ضابطہ، کتابوں کی قسمیں وغیرہ بتائی جائیں، لہٰذا اس باب میں ان میں سے کچھ اہم چیزیں یہاں ذکر کی جارہی ہیں۔

حدیث پڑھنے پڑھانے کے آداب:- حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کیلئے کچھ اہم ہدایتیں ہیں جن میں سے کچھ استاذ اور طالب علم کیلئے مشترک ہوتی ہیں اور کچھ دونوں کیلئے الگ الگ ہوتی ہیں۔

مشترک ہدایتیں:-

- استاذ اور طالب علم ہر ایک کو حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے میں نیک نیت اور مخلص ہونا چاہئے۔ دنیوی اغراض، شہرت اور ریاست کی طلب سے دلوں کو پاک رکھنا چاہئے۔
- حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے کا سب سے اہم مقصد اس کی نشر و اشاعت اور تبلیغ ہے لہٰذا اس کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔
- جو حدیثیں پڑھتے اور لکھتے ہیں ان پر عمل کرنا چاہئے۔ اسلئے کہ حدیث پاک کی معرفت کا اصل مقصد اس پر عمل کرنا ہے، عمل کرنے سے حدیثیں محفوظ اور برزبان ہو جاتی ہیں۔
- اچھے اخلاق سے متصف ہونا، شرعاً و عرفاً جو بری چیزیں ہیں اُن سے دور رہنا۔

استاذ کیلئے ہدایتیں:-

- جب تک حدیث کے درس دینے اور پڑھانے کی اہلیت نہ پائے تب تک مجلس درس منعقد نہ کرے۔

- مجلس درس میں آنے کیلئے صفائی، ستھرائی خوشبو وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہئے، نیز درس کی تیاری مکمل طرح سے کرنا چاہئے۔
- مجلس میں بڑے اطمینان وسکون سے آنا اور بیٹھنا چاہئے۔ جس سے وقار اور تعظیم حدیث کی جھلک نظر آئے۔
- حدیث پڑھاتے وقت سستی وکاہلی کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ چاق وچوبند رہے اور ایسی چیزوں میں مشغول ہونے سے بچے جو درس میں خلل ڈالتی ہیں۔ نیز کتاب کا جو سب سے زیادہ صحیح نسخہ ہے اس سے پڑھانا چاہئے۔
- مجلس کی ابتداء و انتہا حمد باری تعالیٰ اور صلاۃ وسلام سے کرنا چاہئے۔
- طلباء کی بدسلوکی اور تکلیف دہ چیزوں پر صبر کرنا چاہئے۔
- آسان طریقہ تعلیم اختیار کرنا اور طلباء سے ہمدردی اور تعاون کا جذبہ رکھنا چاہیے۔
- جملہ حاضرین کی طرف توجہ برابر رکھنا چاہئے کسی کی طرف خصوصی عنایت مناسب نہیں۔
- محدث کو ایسی حدیثیں نہیں بیان کرنی چاہئے جو عوام کی سمجھ میں نہ آسکیں بلکہ اُن کو الجھن میں ڈال دیں۔
- اپنے سے برتر شخص کے سامنے درس دینے سے پرہیز کرنا چاہئے یہ بھی علم کی تعظیم ہے۔
- اگر کسی چیز کے بارے میں معلومات نہیں ہے تو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے بلکہ ایسے شخص کی جانب رہنمائی کرنا چاہئے جس کے پاس اس کا علم موجود ہے یا معلوم کر کے جواب دینا چاہئے۔
- خود آداب مجلس کا خیال رکھے اور طلبہ سے اسکا خیال رکھائے۔ بہت زیادہ عجلت سے یا چلتے پھرتے حدیث بیان کرنا غیر مناسب ہے۔
- جب محدث کو نسیان کا غلبہ یا اختلاط کا خوف ہو جائے تو حدیث پڑھانا بند کر دے۔

طالب علم کیلئے ہدایتیں:-

- حصول حدیث کیلئے مکمل توجہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس کے حصول کی توفیق فہم وفقہ کیلئے دعائیں کرتے رہنا چاہئے۔
- سب سے پہلے قرب وجوار کے علماء اور اداروں سے علم حاصل کرنا چاہئے اس کے بعد ایسی جگہوں کا انتخاب کرنا چاہئے جہاں بڑے بڑے اہل علم پائے جاتے ہوں۔
- اپنے استاذ کی عزت اور تعظیم، اس کی زیادتیوں اور سرزنش پر صبر، اور اس کی خوشنودی کی کوشش کرنی چاہئے اس سے حصول علم میں برکت ہوتی ہے۔
- طالب علم کو متواضع دین دار ہونا، فضائل اعمال پر عمل کرنا، کبر وغرور سے پاک ہونا چاہئے۔
- حصول حدیث کیلئے کسی خاص عمر کی قید نہیں البتہ سن تمیز کے بعد ہی اس کی طرف توجہ کرنا چاہئے۔ کبر سنی، چھوٹوں سے علم حاصل کرنا یا کسی اور وجہ سے اس کے حصول میں شرم وحیا نہیں کرنی چاہئے۔
- بغیر سوچے سمجھے حدیث کا پڑھنا اور پڑھانا (دورہ کرنا) بے سود اور بلا وجہ کی مشقت ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔
- سب سے پہلے متن حدیث کی مفید اور ضروری کتابیں پڑھنی چاہئے اس کے بعد دیگر علوم حدیث مثلاً اصول حدیث، جرح وتعدیل، اسماء رجال، تخریج حدیث، علل حدیث وغیرہ پڑھنی چاہئے۔
- پڑھے ہوئے درس کا بار بار اعادہ اور مذاکرہ کرنا چاہئے، تاکہ وہ ذہن نشین ہو جائے، تھوڑا تھوڑا حفظ حدیث کا اہتمام کرنا چاہئے۔
- حدیث کے پڑھتے وقت نشیط اور چست رہنا چاہئے، نیز ایسی چیزوں میں مشغول ہونے سے پرہیز کرنا چاہئے جو درس میں خلل ڈالے۔

کیفیت تحمل اور ادا

سلف کے دور میں حدیث کے پڑھنے اور بیان کرنے کے آٹھ طریقے ہوا کرتے تھے۔ جن کو کیفیتِ تحمل (یعنی حدیث پڑھنے اور پڑھانے کے طریقے) اور ادا کہا جاتا تھا اور ان کے بیان کے لئے جو کلمات استعمال کئے جاتے تھے ان کو صیغہ ادا کہتے تھے وہ طریقے یہ ہیں۔

۱- **سماع**:- استاذ اپنے حافظہ یا کتاب سے حدیث پڑھے اور طالب علم سنے تو اس کو سماع کہا جاتا ہے، یہ حدیث پڑھنے کا سب سے بہتر طریقہ ہوتا ہے۔

اس طریقہ سے پڑھی ہوئی حدیثوں کو بیان کرنے کیلئے جو کلمہ استعمال کیا جاتا ہے وہ "سمعت" یا "حدثني" (حدثنا) ہے، نیز "أخبرني"، اور ""أنباني" کا بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۲- **قرأہ**:- اُس کو عرض بھی کہا جاتا ہے، عرض کی شکل یہ ہے کہ طالب علم بذات خود یا اس کا کوئی ساتھی حافظہ یا کتاب سے حدیث پڑھے اور استاذ یادداشت سے یا کتاب لے کر اس کو سنے یا کوئی ثقہ شخص کتاب سے سنے۔

یہ طریقہ صحیح قول کے مطابق دوسرے نمبر کا ہے۔ اس کے بیان کے لئے سب سے مناسب کلمہ "قرات یا قرئ علی فلان'' اور یا ''اخبرني" و'' أخبرنا" ہے۔ "سمعت" اور "حدثنا" بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن قرأة کے اشارے کے ساتھ جیسے " سمعت قرأة عليه"

۳- **اجازہ**:- کوئی محدث اپنے کسی طالب علم کو اپنی پڑھی ہوئی کتاب روایت کرنے کی اجازت زبانی یا تحریری طور سے دے دے۔ اجازہ کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔

۱- معین شخص کیلئے معین کتاب کی اجازت

۲- معین شخص کیلئے غیر معین کی اجازت

۳- غیر معین شخص کیلئے غیر معین کتاب کی اجازت

٤- غیر معین شخص کیلئے معین کتاب کی اجازت

۵- مجہول شخص کیلئے مجہول کی اجازت

٦- معدوم شخص کیلئے اجازت موجود کو ملا کر یا تنہا۔

اس میں سے صرف پہلی صورت جمہور کے نزدیک پسندیدہ اور صحیح ہے، بقیہ صورتیں کمزور اور بے حد مختلف فیہ ہیں۔

اس کے بیان کے لئے سب سے مناسب کلمہ "أجاز لی فلان" یا" أنبانی" ہے۔"حدثنا" و "أخبرنا" بھی لفظ اجازت کو ملا کر کہہ سکتے ہیں مثلاً: "حدثنا اجازة"

٤- مناولہ:- (کتاب دینا) اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی محدث اپنے شاگرد کو اپنی پڑھی ہوئی حدیثیں دے دے۔ اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں ایک کو "مقرونة بالاجازه" اور دوسرے کو "مجردة عن الاجازه" کہا جاتا ہے۔

مناولہ مقرونة بالاجازه:- یعنی محدث روایتوں کے دینے کیساتھ ساتھ اس کے پڑھانے اور بیان کرنے کی اجازت بھی دے دے۔ ایسی صورت میں سماع اور عرض کے بعد اس کا نمبر تیسرا ہو جائے گا، اور مطلق اجازہ جو نمبر تین میں گذر چکا ہے اس کا درجہ اس کے بعد ہو گا۔

اس کے بیان کے لئے سب سے مناسب کلمہ "ناولنی اجازه" ہے۔ "حدثنا و أخبرنا مناولة" بھی کہہ سکتے ہیں۔

مناولہ مجردة عن الاجازه:- یعنی محدث اپنے شاگرد کو صرف اپنی روایتیں یا کتاب دیدے مزید کچھ نہ کہے، یہ طریقہ درس جمہور کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اس طرح سے پڑھی ہوئی روایتوں کو بیان کرنا درست نہیں۔ اس کے ادا کیلئے مناسب صیغہ "ناولنی" ہے۔

۵- مکاتبہ:- محدث اپنی مسموعات (سنی ہوئی روایتوں) کو لکھ کر یا لکھا کر کسی شخص (حاضر یا غائب) کو دیدے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱- **مکاتبہ مقرونہ بالاجازہ:**- یعنی روایت دینے کے ساتھ ساتھ اس کے بیان کرنے کی بھی اجازت دے دے، یہ صورت "**مناولة مقرونة بالاجازة**" کے ہم پلہ ہوتی ہے، اس کے بیان کرنے کے لئے مناسب کلمہ "**کاتبنی اجازة**" ہے۔

۲- **مکاتبہ مجردہ عن الاجازہ:**- یعنی محدث اپنی حدیثیں لکھ کر دے دے اور خاموش رہے۔ اس کا حکم مناولہ مجردہ کی طرح ہوتا ہے۔ اس کے بیان کے لئے مناسب صیغہ "**کتب الی فلان**" ہے۔ "**حدثني يا أخبرني كتابة**" بھی کہہ سکتے ہیں۔

اعلام:- (خبر دینا) یعنی کوئی محدث اپنی سنی ہوئی روایتوں کی اطلاع کسی کو دے، اب اگر اس اطلاع کیساتھ ساتھ اجازت روایت بھی دے دے تو اسکا روایت کرنا درست ہوگا ورنہ نہیں۔

اس کیلئے جو صیغہ ادا استعمال کیا جاتا ہے وہ "**أعلمني**" کا ہے۔ "**حدثني أخبرني اعلاما**" بھی کہا جا سکتا ہے۔

۷- **وصیت:**- یعنی کوئی محدث اپنی مرویات کی کسی کو وصیت کر دے، اب اگر اس کے ساتھ اجازت روایت بھی دے دیا ہے تو اس کا بیان کرنا درست ہوگا ورنہ نہیں۔

اس کے ادا کیلئے مناسب صیغہ "**أوصى الى فلان**" ہے۔ "**حدثني، أخبرني وصية**" بھی کہہ سکتے ہیں۔

۸- **وجادہ:**- (پانا) کوئی شخص اپنے استاذ یا کسی شخص کی تحریر کردہ مرویات کو پا جائے، اب اگر ان مرویات کو اس نے استاد سے نہیں سنا ہے۔ یا اُس کو عام اجازت نہیں دیا ہے۔ تو اس طرح کی روایت بیان کرنا درست نہیں۔ اس کے لئے مناسب صیغہ ادا، "**وجدت یا قرأت بخط فلان**" ہے۔

روایت بالمعنی:- روایت بالمعنی کا مطلب یہ ہے کہ رسول کے الفاظ کے بجائے آپ کی باتوں کو اپنے الفاظ میں بیان کیا جائے، اہل علم رسول کے الفاظ کو بیان کرنا

افضل اور بہتر مانتے ہیں لیکن روایت بالمعنی کو بھی درست قرار دیتے ہیں بشرطیکہ:

۱- اُس کا معنی و مفہوم بحیثیت لغت و مُراد بالکل صحیح ہو۔

۲- روایت بالمعنی کی ضرورت ہو۔ مثلاً لفظ حدیث یاد نہ ہو صرف مفہوم یاد ہو۔

۳- الفاظِ حدیث ایسے نہ ہوں جن کو عبادات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے نماز کی دعائیں یا دیگر اذکار۔

۴- حدیث بیان کرنے کے بعد ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے یہ سمجھ میں آجائے کہ یہ روایت بالمعنی ہے جیسے: "نحوہ" أو "کما قال" وغیرہ۔

اختصار حدیث :- یعنی حدیث کے بعض حصے کو بیان کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا۔

اختصارِ حدیث جائز ہے بشرطیکہ اس میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رہے۔

۱- حدیث کے مفہوم میں کوئی خلل نہ آئے مثلاً شرط کو ذکر کرے اور جزا کو چھوڑ دے۔

۲- جس مقصد کے لئے حدیث بیان کی گئی وہ مذکور رہو۔

۳- کسی قولی یا فعلی عبادت کا بیان نہ ہو۔

۴- اختصار کرنے والا الفاظ کے معنی و مفہوم کو سمجھتا ہو اور جس کے حذف کرنے سے خلل آتا ہے اُس کو جانتا ہو۔

۵- اختصار کرنے والا شخص ثقہ ہو۔

بہتر یہ ہے کہ اختصار کے وقت "الخ" یا "الحدیث" کہے۔

علمی خطابات:- علم حدیث حاصل کر لینے کے بعد حسب مراتب کچھ علمی خطابات دیئے جاتے ہیں جو مختلف دور میں مختلف رہے ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

مُسنِد:- ہر وہ شخص جو اپنی سند سے حدیث بیان کرے۔

محدث:- ہر وہ شخص جو علم حدیث سے روایۃ و درایۃ شغف رکھتا ہو اور اکثر و بیشتر روایتوں اور اپنے دور کے راویوں کے حالات سے باخبر ہو۔

حافظ:- ہر وہ شخص جس کی معرفتِ حدیث و رجال، ہر طبقہ میں عدم معرفت کے مقابلہ میں زیادہ ہو۔

یا ہر وہ شخص جس کو ایک لاکھ حدیثوں کا علم ہو۔

اس کا درجہ محدث سے اونچا ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں نے دونوں کو ایک درجہ دیا ہے

حجہ:- ہر وہ شخص جس کو تین لاکھ حدیثوں کا علم ہو۔

حاکم:- ہر وہ شخص جس کو ساری حدیثوں کا علم سنداً و متناً، جرحاً و تعدیلاً حاصل ہو، شاذ و نادر ہی اس سے کچھ فوت ہو۔

"أمیر المؤمنین فی الحدیث" بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔

روایت حدیث کی کچھ مخصوص شکلیں

الأقران:- دو ساتھیوں میں سے کوئی ایک اپنے دوسرے ساتھی سے روایت کرے۔

مدبج:- دو ساتھیوں میں سے ہر ایک اپنے دوسرے ساتھی سے روایت کرے۔

السابق واللاحق:- دو ساتھی جو کسی استاذ سے روایت کرنے میں مشترک ہوں اگر ان کی وفات میں کافی فاصلہ ہو تو پہلے کو سابق اور دوسرے کو لاحق کہتے ہیں۔ جیسے امام بخاری اور ابوالحسین خفاف دونوں نے ابوالعباس سرّاج سے روایت کیا ہے جبکہ دونوں کی وفات میں ایک سو چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ امام بخاری کا انتقال ۲۵۶ھ میں اور خفاف کا انتقال ۳۹۳ھ یا ۳۹۴ھ میں ہوا ہے۔

روایة الأکابر عن الأصاغر:- کسی شخص کا ایسے شخص سے روایت کرنا جو اس سے عمر یا علم یا حفظ میں کمتر ہو۔

روایة الأصاغر عن الأکابر:- کسی شخص کا ایسے شخص سے روایت کرنا جو اس سے علم یا حفظ یا عمر میں برتر ہو۔ (عموماً روایتیں ایسے ہی ہوتی ہیں۔)

روایة الآباء عن الأبناء:- والدین کا بچوں سے روایت کرنا۔

روایة الأبناء عن الآباء:- بچوں کا والدین سے روایت کرنا۔ یہ روایة الأکابر عن الأصاغر یا اس کے برعکس کی ایک شکل ہے۔

مسلسل:- کسی روایت یا راویوں کی خاص صفت بیان کرنے پر ہر طبقہ کے راویوں میں اتفاق پایا جانا۔

من حدث ونسی:- کوئی شخص روایت بیان کرنے کے بعد بھول جائے۔ اور اس کو یہ خیال نہ رہے کہ اس نے یہ روایت بیان کی ہے تو اس کو **من حدث ونسی** کہتے ہیں۔ (یعنی جو حدیث بیان کر کے بھول جائے۔)

اب اگر مذکورہ شخص قطعی اور حتمی طور پر اس کا انکار کرتا ہے تو اس روایت کا بیان کرنا درست نہ ہوگا، لیکن ان سے دونوں کی شخصیتوں پر کسی قسم کا جرح نہیں ہوگا غالب گمان نسیان ہی کا ہوگا۔

حدیث تحریر کرنے کے آداب

تحریر حدیث کا حکم:- حدیث کی تحریر عموماً صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پسند نہیں کرتے تھے۔ بعد میں بھی صحابہؓ کے ابتدائی دور میں اس کا غلبہ رہا۔

جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا حافظہ انتہائی قوی اور ضرب المثل ہوا کرتا تھا۔ کسی چیز کو یاد رکھنے کیلئے تحریر کرنا اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ابتدائی دور میں اس کی تحریر سے منع بھی فرمایا تھا، بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی، اس لئے کچھ صحابہ نے تحریر بھی کیا تھا اور آپ نے تحریر کرا کر دیا بھی تھا۔

آگے چل کر حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں اس کے تحریر کے جواز پر تقریباً اتفاق ہو گیا چنانچہ صحابہ کرامؓ اور ان کے شاگردوں نے حدیث کا تحریری مجموعہ تیار کیا آگے چل کر یہ ایک ضرورت بن گئی اور حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ تحریری طور پر خیر القرون میں جمع ہو گیا۔

طریقہ تحریر:- حدیث تحریر کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس کو صاف صاف اور

اچھے خط میں تحریر کرے، جو مشکل کلمات ضبط کے مستحق ہوں ان کو ضبط کر دے، خاص طور سے ناموں کے ضبط پر توجہ دے۔

تحریر ایسے خط میں کرے جو اس دور میں معروف ہو اپنے لئے کوئی خاص اصطلاح متعین نہ کرے جو غیر معروف ہو۔ اگر ایسا کرتا ہے تو ابتدا ہی میں اس کی وضاحت ضروری ہے۔

حمد وثناء صلاۃ وسلام ترحم وترضی کے کلمات کو مکمل لکھنا چاہیئے اس سے اکتانا نہیں چاہیئے اور نہ ہی اشارہ میں ص اور صلعم وغیرہ تحریر کرنا چاہیئے۔ باریک خط سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

وہ کلمات جن کا مفہوم بدلنے کا ڈر ہو اس کو دو سطر میں تقسیم کر کے نہ لکھیں جیسے عبداللہ کا عبد ایک سطر میں اور اللہ ایک سطر میں۔

طریقہ مقابلہ:- تحریر کرنے کے بعد اصل کتاب جس سے نقل کیا ہے دوبارہ اس سے (درمیان سماع یا کسی وقت) مقابلہ کر کے ملا لے اور غلطیوں کی تصحیح نیز چھوٹی ہوئی چیزوں کو ٹھیک کر لے، مقابلہ کیلئے کوئی علامت مثلاً دائرہ منقوطہ وغیرہ متعین کریں جس سے پتہ چلے کہ تحریر مقابلہ شدہ ہے۔

اس سلسلہ کی کچھ اصطلاحی کلمات یہ ہیں:

دائرۂ منقوطہ:- ہر حدیث کے بعد ایک خالی دائرہ (اس شکل ○ کا) بنا کر مقابلہ کے بعد اس میں (اس طرح ⊙ سے) نقطہ لگا دینے کو دائرۂ منقوطہ کہا جاتا ہے۔

السقط:- تحریر کرتے وقت جو کلمات چھوٹ جاتے ہیں ان کو سقط یا ساقط کہا جاتا ہے۔

اللحق:- چھوٹے ہوئے کلمات کے تحریر کرنے کو اللحق یا الحاق کہا جاتا ہے۔

جس جگہ سے سقط ہوا ہے وہاں سے ایک خم دار خط کے ذریعہ الحاق کی جانب داہنے یا بائیں حاشیہ کی طرف اشارہ کر دینا چاہیئے۔

الحاق کے تحریر کرنے کے بعد اس کے سامنے کلمہ "صح" لکھ دینا چاہیئے۔

تضبیب:- مشکوک کلمہ جو نقلاً ثابت ہو لیکن لفظاً یا معنیً فاسد ہو اس پر ''علامت ضبہ'' لگانے کو تضبیب کہا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا نام علامت تمریض بھی ہے۔

علامت ضبہ:- آدھا ص کو قدرے طویل کر دینے سے جو علامت بنتی ہے اس کو علامت ضبۃ (یعنی شبہ کی علامت) کہا جاتا ہے، (مثلاً اس طرح صـــ کی علامت)

تصحیح:- ایسا کلمہ جو روایۃً و معنیً صحیح ہو لیکن مشتبہ ہو اس پر کلمہ ''صح'' لگانے کو تصحیح کہا جاتا ہے۔

الشق:- تحریر میں ایسا کلمہ آجائے جو اصل کلام سے متعلق نہ ہو اس کو مٹانے کیلئے اس کے اوپر سے خط کھینچنے کو شق کہا جاتا ہے۔

تحویق:- زائد کلمہ کو دونوں طرف سے نصف دائرہ کے درمیان کر دینے کو تحویق کہا جاتا ہے۔ ( )

زائد کلمہ کے مٹانے کی اور بھی شکلیں ہیں جو پرانے مخطوطات میں پائی جاتی ہیں مثلاً زائد کلمہ سے پہلے باریک حرف میں لا اور آخر میں الیٰ تحریر کرنا، یا پہلے اور بعد میں چھوٹا چھوٹا دائرہ بنانا، وغیرہ جو مختلف دور میں مختلف رہا ہے۔ آج کل اگرچہ طریقہ تحریر بہت مختلف ہو گیا ہے لیکن ان ساری اصطلاحات اور ضابطوں کا جاننا ضروری ہے تاکہ قدیم مخطوطات کے سمجھنے اور پڑھنے میں آسانی ہو۔

لکھنے پڑھنے میں فرق : تحریر کے وقت بعض کلموں کو مختصر لکھا جاتا ہے لیکن پڑھتے وقت اس کو کامل پڑھنا چاہیے مثلاً ''حدثنا'' کو ''ثنا'' یا ''نا'' لکھا جاتا ہے اسی طرح سے ''أخبرنا'' کو ''أنا'' یا ''أرنا'' تحریر کیا جاتا ہے۔

ح : تحویل سند کے لئے حرف ح لکھا جاتا ہے جس کو حا کے تلفظ میں ادا کرنا چاہئے۔ اس **ح** کا مطلب تحویل ہوتا ہے یعنی ایک سند سے دوسری سند کی طرف جانا۔

اسی طرح سے سندوں میں صیغہ ادا مثلاً ''حدثنا اخبرنا أنبانا'' وغیرہ سے پہلے لفظ ''قال'' محذوف ہوتا ہے، مثلاً ''حدثنا مالک أخبرني الزهري'' اس کو ''قال حدثنا مالک قال اخبرنا الزهري'' پڑھنا چاہئے۔ اس طرح سے

آخری سند میں انه محذوف ہوتا ہے۔ مثلاً ''عن أبی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم'' کا مطلب ''عن أبی هريرة أنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم'' ہوتا ہے۔

تصنیف حدیث

جو لوگ تصنیف و تالیف کے قابل ہوں ان کو ضرورت کے مطابق مختلف شکلوں میں تصنیف و تالیف کا کام انجام دینا چاہئے، چاہے اس کا تعلق جمع و ترتیب سے ہو، یا شرح غریب سے ہو، یا وضع فھارس، یا کسی اور طرح سے ہو۔ وقت کے تقاضا کے مطابق ضروری چیزوں کو فوقیت دینی چاہئے۔

اپنی تصنیف مکمل کرنے سے قبل دوسروں کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہئے۔

اقسام کتب حدیث

محدثین کرام نے فن حدیث میں جو کتابیں تحریر کی ہیں ان کو مختلف قسموں میں تقسیم کر کے الگ الگ نام سے موسوم کیا ہے۔ کتب حدیث کی کچھ مشہور قسمیں یہ ہیں:

أجزاء: - ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں ایک شخص کی مرویات، یا ایک موضوع کی مرویات اکٹھا کر دی جائیں۔ جیسے: **جزء حديث مالك، جزء القرأة خلف الامام**، دوسری قسم کو رسالہ بھی کہا جاتا ہے۔

اربعین: - اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ایک باب یا مختلف ابواب کی چالیس حدیثیں جمع کر دی جائیں جیسے امام نووی کی ''اربعین''

اطراف: - اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حدیث کے ابتدائی حصہ کو صحابہ کے نام پر مرتب کر دیا جائے جو بقیہ حصہ پر دلالت کرے پھر اس کی سند کو مکمل یا ناقص ذکر کر دیا جائے۔ جیسے : **تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف.**

جامع: - حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ہر باب کی حدیثیں شامل ہوں۔ وہ ابواب آٹھ ہیں:

۱-عقائد ۲-احکام ۳-زہد ورقاق ۴-آداب
۵-تفسیر ۶-تاریخ وسیر ۷-مناقب ومثالب ۸-فتن وملاحم

جامع کی تعریف اس طرح سے بھی کی جاسکتی ہے۔

جامع اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں عقائد، احکام، رقاق، آداب، تفسیر، تاریخ وسیر، مناقب ومثالب اور فتن وملاحم کی حدیثیں پائی جائیں۔ جیسے: **الجامع الصحیح للبخاری۔**

زوائد: - ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں کسی متعین کتاب سے کسی مخصوص کتاب کے مقابلہ میں جو زائد حدیثیں ہیں ان کو جمع کردیا جائے جیسے: **مصباح الزجاجه فی زوائد ابن ماجه۔**

سنن ابن ماجہ میں کتب خمسہ کے مقابلہ میں جو زائد روایتیں ہیں ان کو اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے۔

سنن: - حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صرف اُحکام کی حدیثیں پائی جائیں، جو ابواب فقہ پر مرتب ہوں۔ جیسے: **سنن ابی داؤد۔**

مجامیع: - ان کتابوں کو کہتے ہیں جس میں چند کتابوں کی روایتوں کو اکٹھا کرکے مرتب کردیا جائے جیسے: ابن اثیر کی **جامع الأصول۔**

مستخرج: - اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کوئی مؤلف کسی صاحب کتاب کی روایتوں کو اپنی سند سے جمع کردے بشرطیکہ اس کی سند صاحب کتاب کے شیخ، یا شیخ الشیخ میں مل جائے۔ جیسے: **مستخرج الاسماعیلی علی الصحیحین۔**

مستدرک: - اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کوئی مؤلف دوسرے شخص کی شرط پر اس سے فوت شدہ روایتوں کو اکٹھا کردے جیسے: امام حاکم کی **المستدرک۔**

مسند: - حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ہر صحابی کی روایت کو الگ الگ جمع کردیا گیا ہو۔ جیسے: مسند امام احمد، مسانید کی ترتیب مختلف ہوا کرتی ہے۔

مسند اس حدیث کو بھی کہتے ہیں جو متصل السند ہو۔

مصنف:۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جو ابواب فقہ پر مرتب ہو جس میں احادیث و آثار کے ساتھ ساتھ اقوال صحابہ، تابعین وغیرہ بھی ہوں، جیسے: مصنف ابن ابی شیبۃ، مصنف عبدالرزاق صنعانی۔

موطاء:۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جو ابواب فقہ پر مرتب ہو۔ جس میں اُحادیث و آثار کیساتھ ساتھ مؤلف کا قول بھی شامل ہو۔ جیسے: مؤطاء امام مالک،

موطاء و مصنف میں بس یہی ایک فرق ہے کہ مصنف میں مؤلف کے اُقوال نہیں ہوتے جبکہ مؤطاء میں مولف کے اقوال بھی ہوتے ہیں۔

معجم:۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مشائخ کی ترتیب پر روایتوں کو جمع کر دیا گیا ہو۔ جیسے: امام طبرانی کی **المعجم الصغیر** اور **المعجم الأوسط**۔

کبھی کبھی مسند پر بھی معجم کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جیسے: امام طبرانی کی المعجم الکبیر۔

اهم کتبِ حدیث

۱- صحیح بخاری : امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری (متوفی ۲۵۶ھ)

اس کتاب کا اصل نام "**الجامع الصحیح المسند المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه و أيامه**" ہے۔ یہ خالص صحیح حدیثوں کا پہلا مجموعہ ہے، اور کتاب اللہ کے بعد صحت میں پہلا نمبر ہے اس کی جملہ مرفوع اور متصل روایتوں کو امت نے از روئے صحت قبول کیا ہے۔

۲- صحیح مسلم : امام ابو حسین مسلم بن حجاج قشیری (متوفی ۲۶۱ھ)

اس کا اصل نام "**المسند الصحیح**" ہے، یہ صحیح بخاری کے بعد دوسری صحیح ترین کتاب ہے جس کی صحت پر امت کا اجماع ہے۔ ان دونوں کتابوں کو امتیازی حیثیت حاصل ہے جس کی اہم وجہ یہ ہے۔

۱- دونوں کی شخصیت کا ممتاز ہونا۔ یہ حضرات علم و فضل، معرفتِ حدیث و مہارتِ فن میں اپنے ہم عصروں پر فائق تھے۔

۲- کتاب میں منتخب راویوں کا استعمال جو از روئے عدالت وضبط اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔

۳- احادیث کے انتخاب میں دقت، ان حضرات نے جن حدیثوں کو ان میں شامل کیا ہے اُن کو انتہائی باریکی اور دقت سے جانچ پڑتال کر کے کیا ہے جو اصول وضوابط کے اعلیٰ معیار پر تھیں۔

۴- ان کی حدیثوں سے علم ضروری یقینی اور علم ضروری نظری حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ یہ روایتیں یا تو متواتر ہیں یا متفق علیہ یا ثقات متقنین کے واسطے سے مروی ہیں۔

۵- علماء کی تصدیق اور امت کا اجماع۔

ان میں صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر تین طرح سے فوقیت حاصل ہے۔

۱- از روئے اتصال اس لئے کہ امام بخاری کے یہاں مدلس کی عنعنہ کے لئے ملاقات شرط ہے۔

۲- از روئے عدالت وضبط اس لئے کہ جن راویوں پر کچھ کلام کیا گیا ہے اُن کی تعداد صحیح بخاری میں صحیح مسلم کے مقابلہ کم ہے۔

۳- از روئے شذوذ وعلل اس لئے کہ جن روایتوں پر کلام کیا گیا ہے اُن کی تعداد صحیح بخاری میں کم اور صحیح مسلم میں زیادہ ہیں۔

صحیح مسلم کو صرف از روئے تنظیم وترتیب برتری حاصل ہے۔

تشاجر قوم فی البخاری ومسلم لدی وقالوا أی ذین تقدم

فقلت لقد فاق البخاری صحة کما فاق فی حسن الصناعة مسلم

امام بخاری ۴۳۷ راویوں سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اُن سے امام مسلم نے نہیں روایت کیا ہے، اُن میں جو متکلم فیہ ہیں اُن کی تعداد ۸۰ ہے۔

امام مسلم ۶۲۰ راویوں سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اُن سے امام

بخاری نے روایت نہیں کیا ہے۔ اُن میں متکلم فیہ کی تعداد ۱۶۰ ہے بقیہ راویوں میں دونوں شریک ہیں۔

صحیحین: ان دونوں کتابوں (یعنی صحیح بخاری وصحیح مسلم) کے مجموعہ کو "صحیحین" کہا جاتا ہے۔

متفق علیہ: صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں میں جو روایتیں متصلاً مروی ہوتی ہیں اُن کو "متفق علیہ" کہا جاتا ہے۔

جتنی متفق علیہ روایتیں ہیں اُن کو شیخ محمد فواد عبدالباقیؒ نے ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے اور اُس کا ایک خوبصورت نام " اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان" رکھا ہے۔

۳-سنن ابو داؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (متوفی ۲۷۵ھ)

اس کتاب کا نام "السنن" ہے جس میں زیادہ تر احکام کی حدیثیں ہیں، جو اس کی امتیازی خصوصیت ہے۔ سنن اربعہ میں ائمہ جرح وتعدیل نے اس کو پہلے نمبر پر رکھا ہے۔

۴-سنن ترمذی: امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ)

اس کا نام بھی " السنن" ہے نیز اس کو "الجامع" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب ہر حدیث پر حکم لگانے اور مسائل فقہیہ کے استنباط اور حدیثی فوائد کے بیان کرنے میں ممتاز ہے اس میں جتنی بھی حدیثیں ہیں سب کے سب کسی نہ کسی کے یہاں معمول بہ ہیں۔ سنن اربعہ میں اس کا دوسرا نمبر ہے۔

۵-سنن نسائی : امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (متوفی ۳۰۳ھ)

اس کتاب کا اصل نام " المجتبیٰ" ہے جس کو " السنن الکبریٰ " سے منتخب کیا ہے۔ یہ کتاب جمع طرق، اختلاف الفاظ کی وضاحت میں ممتاز ہے۔ بہت سے اہل علم نے صحیحین کے بعد اس کو سب سے بہتر کہا ہے اس لئے کہ سنن اربعہ میں

سب سے کم ضعیف حدیثیں اسی میں ہیں، نیز رجال حدیث کے انتخاب میں اُن کے یہاں جو تحقیق و دقت ہے وہ دوسرے اصحابِ سنن کے یہاں نہیں ہیں۔

۶-سنن ابن ماجه : امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی (متوفی ۲۷۳ھ)

سنن اربعہ میں اس کا آخری درجہ ہے کثرت زوائد کی بنیاد پر جن کی تعداد (۱۳۳۹) ہے۔ حافظ ابن طاہر مقدسی اور حافظ عبدالغنی وغیرہ نے اُس کو کتبِ ستہ میں شمار کیا ہے، حالانکہ عموماً زاوئد میں ضعف پایا جاتا ہے۔

سنن اربعه : ان چاروں کتابوں (سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) کو سنن اربعہ کہا جاتا ہے۔

ان کے مراتب میں اہل علم کا اختلاف ہے ان میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے پر فوقیت دی گئی ہے۔ البتہ سنن ابن ماجہ بالاتفاق آخر میں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ تینوں کتابیں تقریباً مرتبہ میں برابر ہیں۔

کتب سته : سنن اربعہ اور صحیحین کے مجموعہ کو کتبِ ستہ کہا جاتا ہے۔

یہ اصطلاح سب سے پہلے محمد بن طاہر مقدسی نے شروع کی ہے۔

صحاح سته : صحیحین اور سنن اربعہ کے مجموعہ کو صحاح ستہ بھی کہا جاتا ہے۔

حالانکہ ان تمام کتابوں پر صحیح کا حکم لگانا مناسب نہیں کیوں کہ سنن میں بہت سی ضعیف روایتیں پائی جاتی ہیں ان پر صحیح کا حکم توسعاً، یا پھر تغلیباً لگایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہل علم اُن کو "صحاح ستہ" کہنے کی بجائے "کتبِ ستہ" کہنا پسند کرتے ہیں۔

۷-موطاء : امام مالک بن انس اصبحی (متوفی ۱۷۹ھ)

بہت سے اہل علم نے از روئے صحت اُس کو صحیحین پر بھی مقدم مانا ہے، حالانکہ اس میں مراسیل، مقاطیع اور بلاغات کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ کچھ اہل علم نے اس کو ابن ماجہ کی جگہ پر اسی وجہ سے کتبِ ستہ میں شمار کیا ہے۔

۸-سنن دارمی : امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن (متوفی ۲۵۵ھ)

اس کو "مسند دارمی" بھی کہا جاتا ہے۔ جو اصطلاحی نہیں بلکہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہے۔ (یعنی مسند بمعنی متصل ہے۔)

ابو معاویہ رزین نے ابن ماجہ کی بجائے اُس کو کتبِ ستہ میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح سے علامہ مغلطائی، علامہ علائی اور شیخ عبدالحق دہلوی نے یہ کہا ہے کہ اس کو سنن ابن ماجہ اور موطاء کی بجائے کتبِ ستہ میں شمار کرنا بہتر ہے۔

سنن ابن ماجہ کے مقابلہ میں اس کی سندیں بہتر اور اعلیٰ ہیں لیکن چونکہ اس میں مرسل، معضل، منقطع روایتیں کافی تعداد میں ہیں۔ اس لئے اس کا درجہ کم ہو گیا۔

۹- مسند احمد : امام احمد بن محمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ)

یہ کتاب موجودہ مسانید میں سب سے بڑی کتاب ہے جس میں تکرار کے ساتھ چالیس اور بغیر تکرار کے تیس ہزار حدیثیں ہیں۔

عمومی طور سے اہل علم نے کتبِ صحاح وسنن کے بعد مسانید کو تیسرے نمبر پر رکھا ہے، لیکن اس کے باوجود اس مسند کی حدیثیں ازروئے سند بہت بہتر ہیں، اس میں جو ضعیف روایتیں ہیں زیادہ تر امام عبداللہ اور ابوبکر قطیعی کی زوائد ہیں۔

۱۰- صحیح ابن خزیمہ : امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ (۳۱۱ھ)

کتاب کا اصل نام "مختصر المختصر من المسند الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ کتب صحاح میں صحیحین کے بعد اس کا درجہ ہے اس لئے کہ حدیث پر حکم لگانے میں دیگر اصحابِ کتبِ صحاح سے زیادہ تحقیق اور احتیاط سے کام لیا ہے۔

مطبوعہ نسخہ ناقص ہے صرف کتاب الزکوٰۃ تک موجود ہے اور اتنا ہی مطبوع ہے۔

صحیح ابن حبان : امام ابو حاتم محمد بن احمد بن حبان تمیمی (متوفی ۳۵۴ھ)

کتاب کا اصل نام " المسند الصحیح علی التقاسیم والأنواع من غیر وجود قطع فی سندها ولا ثبوت جرح فی ناقلیها " ہے جس کا

''التقاسیم والأنواع'' کہا جاتا ہے، کتب صحاح میں یہ چوتھے نمبر پر ہے۔
اس کی ترتیب انتہائی مشکل تھی اس لئے علاؤالدین علی بن بلبان فارسی (متوفی ۷۳۹ھ) نے اس کو فقہی ابواب پر مرتب کردیا ہے جو '' الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان'' کے نام سے مطبوع ہے اور صحیح ابن حبان کی جگہ پر یہی متداول ہے۔

السنن الکبری: امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) یہ کتب سنن میں سب سے بڑی کتاب ہے احکام کی حدیثوں کا سب سے بڑا ذخیرہ اس میں ہے۔امام بیہقی کی دوسری کتاب ''السنن الصغریٰ'' کے مقابلے میں ان کا نام ''السنن الکبریٰ'' ہے۔

ان کے علاوہ اور دیگر کتابیں ہیں جن کو علماء اسلام نے تالیف کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔اور ہم لوگوں کو بھی حدیث نبوی کی خدمت کرنے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

والحمد لله رب العالمین وصلی الله علیٰ نبینا محمد و آله و صحبه أجمعین.

راقم:
اقبال احمد محمد اسحٰق بسکوہری
نظر ثانی ۲۶ / رمضان المبارک
۱۴۲۵ھ
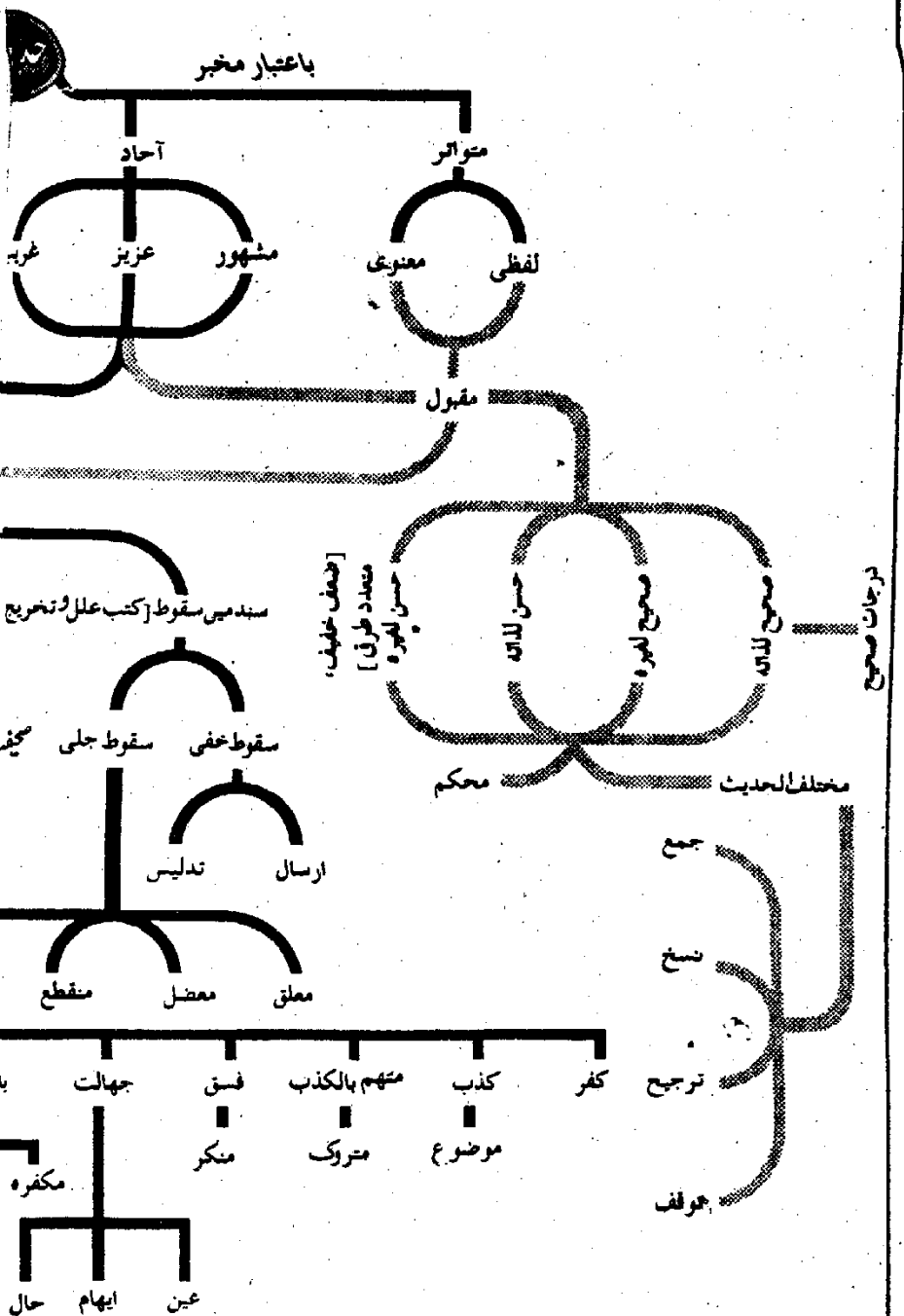
مذکورہ خاکہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صرف چار قسم کی روایتیں مقبول ہیں بقیہ سب جو تقریبا ۳۳ ہیں مردود ہیں۔

باعتبار نسبت
حدیث قدسی
مرفوع
موقوف
مقطوع
اللہ عزوجل
رسول ﷺ
صحابی
تابعی مخضرم
مردود
اسمیں موضوع، متروک، انتہائی ضعیف، ضعیف، خفیف جو منفرد ہو شامل ہے
راوی میں عیب
[جرح وتعدیل و اسماء رجال]
دیگر عیوب
عدالت میں عیب
ضبط میں عیب
ضعفاء و مجاہیل سے بکثرت روایت کرنا
روایت کرنا
سماع و ادا میں تساہل ہونا
مرسل
جنون
فحش غلط
کثرت غفلت
کثرت وہم
مخالفت ثقات
سوء حفظ
منکر
منکر
معلل
طاری
لازم
مختلط
شاذ
مدرج
مقلوب
مضطرب
شاذ
منکر
المزید فی متصل الاسانید
مصحف
محرف

مکتبہ قاسم العلوم
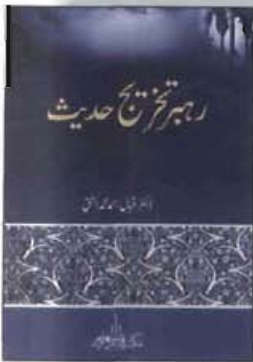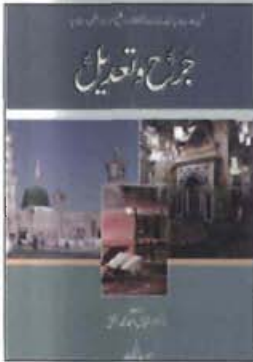
رحمان مارکیٹ ⊙ غزنی سٹریٹ ⊙ اردو بازار ⊙ لاہور ⊙ پاکستان

Ph: 042-37231119 , 0321-4021415

qasimulaloom@gmail.com